دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی ودینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۸۷ ماہ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۱۱ء عدد ۱

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

شمسی تقویم کے لحاظ سے معارف کا یہ شمارہ سال نو کا پہلا شمارہ ہے، ایک بار صاحب معارف حضرت سید سلیمان ندویؒ نے ایسے موقع پر لکھا تھا کہ "نئے سال کے آغاز میں چاہیے تھا کہ کوئی نیا مضمون شروع ہوتا، لیکن مجبوراً ہم کو ایک پرانے مضمون کی بحث چھیڑنا پڑی"، قدیم وجدید کا فلسفہ بھی عجیب ہے، ان اضافی نسبتوں کو حقیقی سمجھنا اس سے بھی عجیب تر ہے، خوب کہا گیا کہ ہر قدیم اپنے اگلے کے لحاظ سے جدید اور ہر جدید آئندہ کے لحاظ سے قدیم ہے، ہمارے فلسفی شاعر نے تو اس قصہ قدیم وجدید کے متعلق فیصلہ کر دیا کہ یہ تو دلیل کم نظری ہے۔ بہر حال اس تمہید کا مقصد ہندوستان کی آزادی کے مابعد مسلمانوں کو درپیش مسائل میں ایک نہایت اہم مسئلہ کی یاد تازہ کرنا ہے، ساٹھ سال سے کچھ زیادہ ہی مدت ہوئی، ہندوستان آزاد ہوا، ملک کا آئین جمہوری ہوا، ہر مذہب وملت، ہر علاقہ اور ہر تہذیب وزبان کو یکساں حقوق ملنے کا وعدہ ہی نہیں، ترقی وفروغ کا دعویٰ بھی کیا گیا لیکن کیا خبر تھی کہ آزادی کا مفہوم 'من مانی' لیا جائے گا اور جس کی ایک کریہہ شکل، نئے حکمرانوں کے ذریعہ نظام تعلیم کے باب میں مسلمانوں کے تعلق سے سامنے آئی، ابتدائی تعلیم جبری ہوئی، جبر ان معنوں میں کہ اردو عملاً تعلیم سے خارج کی گئی، ہندی کی تعلیم اس کی مخصوص ثقافت کے ساتھ لازم کی گئی اور اس ابتدائی تعلیم کی زیادہ تر کتابیں محض اکثریت کے مذہب اور تہذیب کی اس طرح ترجمان بنادی گئیں کہ سب سے بڑی اقلیت کے بچے اس نظام تعلیم کے ذریعہ اپنی تہذیب وروایات سے بیگانہ بن جائیں، صدی کی پچاسویں چھٹی دہائی میں دینی تعلیم سے محرومی کی اس داستان کو دیکھنے اور پڑھنے والے جانتے ہیں کہ نئی نسل کے اسلامی تشخص کے تحفظ وبقا کے لیے یہ کیسا نازک وقت تھا، ایسے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ومصلحت نے ایک مجاہد آزادی ہی نہیں حقیقتاً مرد مجاہد کو کار تجدید کے لیے منتخب کیا، قاضی عدیل عباسی مرحوم کی نظر تھی یا شب تاریک میں چیتے کی آنکھ جیسا چراغ تھی جو منزل مقصود کا سراغ آسان کر دے، انہوں نے حکومت کے نظام تعلیم سے براہ راست متصادم ہونے کی بجائے، پرائمری سطح پر ایک متوازن اسلامی تعلیم کی تدبیر کی اور آزاد مدارس ومکاتب کے لیے عام مسلمانوں کے معمولی لیکن مستقل تعاون سے خود کفالت کی راہ بھی دکھائی۔

دسمبر ۵۹ء میں یوپی کے ضلع بستی میں ایک انفرادی فکر اور تجویز، دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل میں بدل گئی اور اس کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور نعمانی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا ابواللیث اصلاحی کے تعاون واشتراک سے اور خود قاضی صاحب اور ان کے رفقاء مولانا محمود الحسن، ظفر احمد صدیقی کے انہماک سے اس تحریک نے جو نتائج و ثمرات مرتب کیے، وہ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا اہم حصہ ہیں، ۶۰ کے بعد ملک اور خصوصاً یوپی میں مدارس کے فروغ میں دینی تعلیمی کونسل کے ان مکاتب کے فعال کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا بھی ہے کہ جب کبھی ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنی و فکری و تعلیمی تاریخ بلکہ ان کی ملی تاریخ، دیانت داری سے لکھی جائے گی تو اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکے گا کہ دینی تعلیمی کونسل نے کیا فکر دی، کیا لٹریچر تیار کیا اور کس طرح ہندوستانی مسلمانوں کے دینی تعلیمی مقدمہ کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا، اس وقت کے صاحب معارف مولانا شاہ معین الدین ندوی نے اس تحریک کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ان ہی صفحات میں لکھا تھا کہ "اس کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ بار بار اس کی جانب توجہ دلائی جائے"۔

دیکھتے دیکھتے دینی تعلیمی کونسل نے پچاس سال پورے کرلیے، اب وہ بزرگ نہیں جنہوں نے اس شجرۂ طیبہ کو پروان چڑھتے دیکھا لیکن جس دردو سوز و آرزومندی کی دولت انہوں نے میراث کے طور پر عطا کی، شکر ہے کہ ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی اور ان کے رفقاء کی جرأت اندیشہ اور لذت کردار کے باعث یہ ضائع نہیں ہوئی، چنانچہ ابھی دسمبر میں گورکھپور میں اس تحریک نے مولانا سید محمد رابع ندوی اور مولانا سعید الرحمن اعظمی کی سرپرستی میں اس پچاسویں سال کو مزید حرکت و توانائی کے لیے ایک مفید کانفرنس کی شکل میں بدل دیا، صحیح ہے کہ اب بھی منظرنامہ نہیں بدلا ہے، سرکاری اسکولوں کی جگہ نرسری، مانٹیسری انگلش میڈیم اسکولوں کی شکل میں مذہب اور تہذیب وروایات کے خلاف وہی تعلیم اور وہی تربیت و تلقین ہے، آج بھی مسلمان بچوں کی بڑی تعداد کلمہ شہادت کے تلفظ سے ناآشنا ہے اور آج بھی ہمارے بچے اردو لکھاوٹ سے دور ہیں اور آج بھی وہی کوششیں منظم ہیں کہ ملک کی ساری تہذیبیں اور مذہبی عقائد ایک مخصوص عقیدہ و روایت میں ضم ہوجائیں اور طاق حرم میں جو شمع روشن ہے اس کو گل کر کے انسانیت کو تاریکیوں میں گم کردیا جائے۔ آج بھی وہی ضرورت ہے کہ ہم کو اپنی تہذیبی انفرادیت اور عقائد کے تحفظ سے رہنا اور جینا ہے، آج بھی تہہ محراب تقدیر کو رونا نہیں ہے، اس لیے دینی تعلیمی کونسل کو زندہ ہی

رہنا چاہیے اور اس کے لیے ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی اور ان کے رفقاء کا ہر ممکن تعاون کیا جائے کہ ان کی شکل میں وہ جنون آج بھی باقی ہے جو تقدیر کے چاک کو سی سکتا ہے۔

ایک بار حضرت سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا تھا کہ دارالمصنفین کسی دارالاشاعت، کسی مطبع، کسی رسالہ، کسی تعمیر کا نام نہیں بلکہ وہ مسلمان نوجوان کی دماغی و ذہنی تربیت کے لیے وہ گوشۂ امن ہے جہاں یاران زیرک کے لیے فراغت، کتاب و گوشۂ چمن میسر ہو اور اس کے لیے بادۂ کہن دو من مہیا ہو، یہ بادۂ کہن ان کے الفاظ میں "سرمایہ" ہے، اس وقت بھی دارالمصنفین نے طے کیا تھا کہ کچھ نہ ملنے پر بھی ہم سب کچھ کریں گے اور اخلاص و ایثار کے دعویٰ کو انشاء اللہ کبھی شرمندہ نہ ہونے دیں گے، آج بھی یہ عہد قائم ہے کہ چند روپوں کے چندے کی درخواست اور دریوزہ گری سے علم کی رفعت کہیں بلند تر ہے، ہاں رکنیت دوامی اور کتابوں کی خرید، علم دوستی اور علم پروری کا ذریعہ ضرور ہے، ہمارے ناظم صاحب اور مدیر معارف محترم اشتیاق احمد ظلی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف و متفکر ہیں، اس وقت وہ اسی مقصد سے ممبئی تشریف لے گئے ہیں، کاش ان کے درد و آرزو کو سمجھنے والے مل جائیں۔

گذشتہ دنوں کا ایک بڑا مذہبی اور تعلیمی حادثہ، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن کی وفات ہے، وہ ہمارے بزرگوں کی اس صف میں تھے جو اخلاص، تقویٰ، للّٰہیت کی خوبیوں سے آراستہ تھی، اس کے ساتھ تدبیر اور نظم و نسق کی قوت میں بھی وہ ممتاز تھے، ان کی پیرانہ سالی اور امراض جسمانی کو دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ دارالعلوم جیسے بڑے ادارے کے بار گراں کو کس طرح اٹھائے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں جگہ دے، اب ایسے بزرگوں کا نعم البدل تو کیا بدل بھی مشکل سے ملے گا۔

ایک اور افسوس ناک خبر ڈاکٹر محمود احمد غازی کی وفات کی ہے، علوم اسلامیہ اور جدید عصری تقاضوں کی نزاکت و اہمیت سے باخبری ان کی امتیازی خصوصیت تھی، ان کی اردو، عربی اور انگریزی کتابوں سے ان کی فکر و نظر نمایاں ہے، پاکستان میں وہ اعلیٰ علمی عہدوں پر فائز رہے لیکن ان کا تواضع و انکسار کبھی ان سے جدا نہیں ہوا، ۸۲ء میں "اسلام اور مستشرقین" سمینار میں تشریف لائے، اسلام آباد سے اعظم گڈھ تک اس راہ نوردی کو سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے دارالمصنفین سے والہانہ عشق سے تعبیر کیا تھا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

مقالات

تاریخ طبریؒ میں سیرت نبوی ﷺ کے مآخذ

پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

(۲)

غزوۂ بدر الکبریٰ: امام طبریؒ نے اپنے بیان سے پہلے اس سنہ دوم ہجری کے ماہ رمضان میں غزوہ بدر الکبریٰ کے واقع ہونے پر اتفاق اہل سیر بیان کرکے اس کی تاریخ میں ان کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور اس کی متعدد روایات دی ہیں:

۱۹/رمضان: ابن حمید/بواسطہ شیوخ/ابن مسعودؓ۔۲-محمد بن عمارہ اسدی/......./عبداللہؓ بن مسعود،۳-ابوکریب/......زیدؓ۔

۱۷/رمضان یوم جمعہ: ابن المثنیٰ/بواسطہ شیوخ/ابن مسعودؓ،۲-حارث/ابن سعد/واقدی، دو مزید روایات اسی جیسی ۵-محمد بن صالح/عاصم بن عمر بن قتادہ و یزید بن رومان،۶-قول واقدی،۷-ابن حمید/......./حضرت حسنؓ بن علی۔

واقعہ بدر کبری کا ذکر: بروایت علی بن نصر بن علی/بواسطہ شیوخ/عردہ کی کتاب برائے خلیفہ عبدالملک بیان کیا گیا ہے جو تمہیدی اصل طویل روایت ہے۔ درمیان میں دوسری روایات ہیں جو ضمنی واقعات بیان کرتی ہیں یا اصل روایت/ماخذ کی تائید و تفصیل کرتی ہیں۔ ان میں شامل ہیں: روایت ابن اسحاق، روایت جعفر بن محمد بزوری/......./حضرت علیؓ: روایت عمرو بن علی/......./حضرت علیؓ۔ روایت ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق: کاروان تجارت قریش کی خبر۔

روایت ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق: کاروان تجارت قریش کی خبر پاکر رسول اکرم ﷺ

سابق صدر و ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

کے اقدامات: تفصیل غزوہ بدر۔

روایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق: رویا عاتکہؓ بنت عبدالمطلب۔

روایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق: امیہ بن خلف کا خروج۔

روایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق: سراقہ بن جعشم کی صورت میں ابلیس کا ظہور۔

غیر ابن اسحاقؒ سے ابو جعفرؒ کی روایت: ۳ر رمضان کو مدینہ سے تین سو سے زیادہ مجاہدین کے ساتھ روانگی۔ بعض کے مطابق تین سو تیرہ تھے۔ تعداد مجاہدین کے اختلاف پر متعدد اختلافی روایات دی ہیں جن کی تعداد بارہ ہے اور اس میں ابن اسحاق کی روایت بھی ہے۔

پھر حدیث ابن اسحاقؒ کی طرف رجوع کیا ہے: امرائے ساقہ کی تقرری، جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع کی فراہمی اور تقاریر مہاجرین، انصار اس میں محمدؒ بن عبید محاربی کی روایت تقریر حضرت مقدادؓ کے بارے میں ہے: حضرت موسیٰ سے قوم موسیٰ کا قول اور سورہ مائدہ: ۲۴ کا ذکر۔

رجوع طرف حدیث ابن اسحاقؒ: مشورہ صحابہؓ، مسرت نبویؐ، سفر فوج اور اس کی منازل وغیرہ، قریشی لشکر کی آمد اس میں بار بار امام طبریؒ دوسری روایات کو داخل کر کے معلومات فراہم کرتے ہیں اور پھر ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی کئی روایات ہیں، اور اصل واقعات ابن اسحاق سے نقل کیے ہیں۔ یہ رجوع الی حدیث ابن اسحاق بار بار آتا ہے اور سلسلۂ سند یہی ہے۔ دوسرے مآخذ میں واقدی کا حوالہ بھی آتا ہے۔

ابو جعفرؒ کے بیان پر سیف ذوالفقار کے نفل اور بدر سے واپسی پر قیام مدینہ کی مدت کا ذکر ہے۔

(۴۱۸/۲-۴۷۹: ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی روایت کے لیے ملاحظہ ہوں: ۴۲۷/۲، ۴۲۸، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۳، ۴۳۵-۴۳۹ مسلسل، رجوع ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱-۴۴۳ مسلسل، ۴۴۴-۴۴۶-۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳، ۴۶۵-۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸-۴۶۹، ۴۷۱-۴۷۲، ۴۷۵-۴۷۷ مسلسل، ۴۷۸-۴۷۷۔

غزوۂ بنی قینقاع: ابن حمید رسلمہ بن فضل رابن اسحاق کی روایت سے اس غزوہ کا ذکر شروع ہوتا ہے اور وہی روایت بار بار ضمنی روایات کے ساتھ آتی ہے۔ اصل میں یہ بیانیہ امام طبری، ابن

اسحاق سے ہی ماخوذ اور اسی پر مبنی ہے۔ دوسری روایات میں متعدد اہم ترین مولفین شامل ہیں۔ جیسے حارث ر ابن سعد ر واقدی، امام زہری وغیرہ۔ ان کے بعد حسب معمول طبری اپنی اصل اور بنیادی روایت ابن اسحاق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ امام طبری نے ان دونوں اہم ترین مولفین سیرت - ابن اسحاق اور واقدی - کی روایات اور خامیوں پر اپنے قول سے نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔ ابن اسحاق نے غزوہ بنی قینقاع کی کوئی تاریخ نہیں دی ہے جب کہ واقدی نے امام زہری کی سند پر شوال سنہ ۲ ہجری تاریخ بتائی ہے اور "بعض" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غزوہ بدر اور غزوہ بنی قینقاع کے درمیان تین غزوات اور ایک سریہ واقع ہوئے تھے اور اس غزوہ بنی قینقاع کی تاریخ ۹ ر صفر ۳ ہجری تھی۔ بعض نئی معلومات اور معاشرتی و مذہبی اخبار بھی ان روایات کی بنیاد پر دیے ہیں۔ واقدی کی حدیث حضرت جابرؓ میں ہے، بنو قینقاع سے واپسی پر ہم نے ۱۰ ر ذوالحجہ کو قربانی کی جو اولین قربانی تھی، اس میں صرف بنو سلمہ میں قربانی کے جانوروں کی تعداد سترہ تھی۔

غزوۃ الکدر: کا ذکر ابن اسحاق کی ایک اور روایت پر اس ضمن میں کیا ہے کہ غزوہ بدر سے واپسی پر اواخر رمضان یا اوائل شوال میں صرف سات راتوں کے قیام کے بعد رسول اکرم ﷺ نے بنو سلیم کے خلاف اقدام کیا جہاں تین رات قیام کیا اور اس کے بعد ہی اسیران بدر کا فدیہ پر رہائی کا واقعہ پیش آیا۔ واقدی نے اس کی تاریخ محرم ۳ھ دی ہے اور "بعض" کے مطابق اس سے واپسی ۱۰ ر شوال کو ہوئی اور اس کے بعد ہی غالبؓ بن عبداللہ لیثی کا سریہ بنی سلیم ر غطفان بھیجا گیا۔ اس کی بھی کچھ تفصیل دی ہے۔ (۲/ ۴۷۹-۴۸۳)

غزوۃ السویق: کی اصل روایت طبریؒ ابن اسحاق سے سلمہ اور ان سے ابن حمید کی نقل پر مبنی ہے۔ آخر میں واقدی کی روایت اس کی تاریخ ذوقعدہ ۲ ہجری کے بعد کچھ تفصیل دیتی ہے۔ واقدی کے مطابق اس غزوہ میں مدینہ کے خلیفہ ابولبابہؓ بن عبدالمنذر رہے تھے۔ (۲/ ۴۸۳-۴۸۵)

واقعات دیگر میں ابو جعفر نے اپنے بیانیہ میں ۲ ہجری میں حضرت عثمانؓ بن مظعون کی وفات کا ذکر کیا ہے اور "قیل" سے ولادت حسنؓ کا۔ واقدی کے زعم کے مطابق حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے بائیس ماہ بعد ہجرت ذوالحجہ میں "بنا" کی تھی۔ ابو جعفرؒ کے مطابق اگر یہ روایت صحیح ہے تو قول اور باطل ہے۔ "قیــــــل" سے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی سال میں

رسول اکرم ﷺ نے احکام دیت (معاقل) لکھے تھے جو آپ ﷺ کی تلوار (کی کمان) میں معلق تھے۔ (۲/۴۸۵-۴۸۶)

واقعات سنہ ۳ ہجری: غزوہ ذوامر و غزوہ بحران ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق پر دونوں مروی ہیں اور خاصے مختصر ہیں۔ (۲/۴۸۷، غزوہ ذوامر/انمار بقول واقدی اسی سال ربیع الاول میں ہوا تھا)

خبر کعب بن الاشرف: اس عنوان سے قتل یہودی کے سریہ کا بیان ابوجعفر نے شروع کیا ہے اور واقدی کی تاریخ ماہ ربیع الاول سنہ ۳ ہجری دے کر خبر ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت پر بیان کی ہے جو بار بار اپنی سند دہراتی ہے۔ واقدی کے زعم کے مطابق کعب بن اشرف کا سر خدمت اقدس میں لایا گیا تھا۔ (۲/۴۸۷-۴۹۱)

حضرت ام کلثومؓ سے حضرت عثمانؓ کی شادی کی تاریخ واقدی کے مطابق ربیع الاول ۳ ہجری ہے اور جمادی الآخرہ میں رخصتی ہوئی تھی۔ اسی قول کا لاحقہ ہے کہ حضرت سائبؓ بن یزید بن اخت النمر کی ولادت اسی سال ہوئی۔ (۲/۴۹۱-۴۹۲)

غزوۃ القردہ: کی تاریخ جمادی الآخرہ ۳ھ ہے بقول واقدی، اور اس کے امیر حضرت زیدؓ بن حارثہ تھے اور وہ ان کی اولین امارت تھی یہ غزوہ ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق سے امام طبریؒ نے لیا ہے۔ اور واقدیؒ کی بنا پر اس کا سبب اور واقعہ بیان کیا ہے۔ (۲/۴۹۲-۴۹۳)

مقتل ابی رافع الیہودی: اپنے بیانیہ کے بعد واقعہ قتل اور اس کی تاریخ نصف جمادی الآخرہ ۳ھ وغیرہ کو ہارون بن اسحاقؒ ہمدانی/حدیث حضرت البراءؓ پر مبنی کیا ہے۔ پھر واقدی اور ان کے بعد ابن اسحاقؒ (سلمہ/ابن حمید) کی روایت دی ہے اور بعد میں ابن اسحاق کی مفصل روایت ہے اور اختتام پر موسیٰؒ بن عبدالرحمٰن المسروقی کی سند پر حضرت کعبؓ بن مالک کی طویل حدیث ہے۔ (۲/۴۹۳-۴۹۹)

حضرت حفصہؓ سے نکاح نبوی کا واقعہ ابوجعفر نے صرف اپنے بیانیے میں دیا ہے اور کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ (۲/۴۹۹)

غزوۂ احد/شوال ۳ھ: اپنے بیانیہ میں تاریخ غزوہ دے کر سرخی خاص کے تحت غزوہ احد

کا ذکر ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت سے شروع کیا ہے اور وہی امام طبری کا بنیادی ماخذ ہے۔ شروع میں ابن اسحاق کے ذکر کردہ تمام شیوخ واکابر حدیث کا ذکر ہے۔ (۲/۴۹۹-۵۰۳: درمیان میں سدی کی روایت ضمنی پھر رجوع الی حدیث ابن اسحاق ۲/۵۰۴: پھر واقدی کی روایت سے کچھ تفصیل جو دوبار کی سند پر ہے؛ ۲/۵۰۶: پھر ابن اسحاق کی حدیث رجوع طبری ہے؛ ۲/۵۰۷: ہارون بن اسحاق/حدیث البراءؓ ہے اور ۲/۵۰۸: حدیث ابن سعدؒ ہے جس کے بعد سدی کی ایک اور روایت ہے اور دوسری روایت بشرؒ بن آدم/عروہؒ کی ہے، پھر رجوع الی حدیث ابن اسحاق ہے ۲/۵۱۱-۵۲۷ جو بار بار دہرائی جاتی ہے اور بار بار ضمنی روایات آتی ہیں۔ آخر میں ''بعض'' نامعلوم کے حوالے بھی ہیں)

امام طبری نے بعض واقعات اپنے بیان سے بلا حوالہ مآخذ بھی حسب معمول نقل کیے ہیں جیسے ۲/۵۲۲: غزوہ سے غائب ہونے والے بعض صحابہؓ کے اسماء گرامی، حضرت حنظلہؓ کی شہادت اور ان کا مرثیہ شداد بن الاسود وغیرہ، ۲/۵۲۳: تلوار نبویؐ - ذوالفقار - کا حضرت فاطمہؓ کا دھونا اور حضرت علیؓ کا اسے عطیہ میں پانا وغیرہ۔ ۲/۵۲۷: نصف رمضان کو ولادت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا حمل اور قتل سے جمیلہ بنت عبداللہ بن ابیؓ کا حمل عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامرؓ شوال میں۔

واقعات سنہ ۴ھ:　　**غزوۃ الرجیع:** صفر ۴ھ براویت ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاقؒ مروی ہے اور وہی امام طبریؒ کا بنیادی ماخذ و مصدر ہے۔ ضمنی روایات ہیں: ۱- ابوکریب/حدیث عمرو بن امیہ ضمری اور بیان/بیانیہ ابوجعفرؒ۔ (۲/۵۳۸-۵۴۲)

سریہ عمرو بن امیہ ضمری برائے قتل ابوسفیان اموی:　　بیانیہ ابوجعفرؒ کے بعد واقعہ ابن حمید/سلمہ بن الفضل/ابن اسحاق پر مبنی ہے۔ (۲/۵۴۲-۵۴۵: خاتمہ بیان پر حضرت زینبؓ بنت خزیمہ ام المساکین سے نکاح نبویؐ درشہر رمضان کا ذکر بیانیہ طبری پر مبنی ہے)۔

ذکر خبر بئر معونہ:　　بیانیہ تمہیدیہ کے بعد واقعہ سریہ امام طبری نے ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت پر نقل کیا ہے۔ جو مختلف شیوخ ابن اسحاقؒ سے مروی ہے اور اس کی سند اسی بنا پر بھی بدلتی ہے۔ دوسری روایات و مآخذ ہیں: ۱- محمد بن مرزوق/حدیث انس بن مالکؓ۔ ۲- عباسؓ بن الولید/حدیث انس بن مالکؓ۔ (۲/۵۴۵-۵۵۰)

غزوۂ بنی النضیر: "ذکر خبر جلاء بنی النضیر" کے عنوان سے امام طبری نے اس کا آغاز کر کے اپنے بیانیہ میں سبب غزوہ دیا ہے اور پھر واقعہ غزوہ ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی کلیدی روایت پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد واقدی کی روایت ہے اور اس کے بعد ابن سعدؒ کی حدیث ابن عباسؓ ہے اور ان کے بعد پھر ابن اسحاقؒ کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ خاتمہ میں ابو جعفرؒ نے اپنے بیان سے خلیفہ نبویؐ کی حیثیت سے حضرت ابن ام مکتومؓ کا اور علمبردار نبوی کی حیثیت سے حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے (قیل کے لفظ سے)۔ آخر میں عبد اللہ بن عثمانؓ بن عفان کی جمادی الاولیٰ میں وفات بہ عمر چھ سال اور ولادت حسینؓ در شعبان کا ذکر اپنے بیان سے کیا ہے۔ (۲/ ۵۵۰-۵۵۵)

غزوۂ ذات الرقاع پر اختلاف ابن اسحاق (ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق) واقدی وغیرہ کا ذکر کر کے واقعہ غزوہ ابن اسحاق کی روایت پر بیان کر دیا ہے جو اسے اسی سال جمادی الاولیٰ کا واقعہ قرار دیتے ہیں جب کہ واقدی کے مطابق وہ محرم ۵ھ کا غزوہ تھا۔ اسی طرح اس غزوہ میں صلاۃ الخوف کی روایات کے اختلاف پر امام طبریؒ نے بحث کی ہے اور واپسی کے واقعات بنیادی روایت پر نقل کیے ہیں۔ (۲/ ۵۵۵-۵۵۹)

غزوۃ السویق کا ذکر اس سال کے واقعات میں اب حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی روایت پر پھر کیا ہے جو واقدی کے خلاف ہے۔ ابو جعفر کے مطابق اس غزوہ میں خلیفہ نبویؐ حضرت عبد بن رواحہؓ تھے۔ دوسرے واقعات سنہ ہیں: ۱- حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ سے شوال میں نکاح نبویؐ اور شب زفاف بقول واقدی، حضرت زیدؓ بن ثابت کو کتاب یہود کی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت نبوی اور حج کی ولایت مشرکین۔ (۲/ ۵۵۹-۵۶۱)

واقعات سنہ ۵ھ: نکاح حضرت زینبؓ: کا آغاز امام طبریؒ نے حضرت زینب بن جحشؓ سے نکاح نبوی سے کیا ہے جو روایت واقدی پر مبنی ہے۔ اس کی دوسری روایت یونس بن عبد الاعلیٰ / ابن وہب / ابن زید کی ہے۔ (۲/ ۵۶۲-۵۶۴)

غزوۂ دومۃ الجندل: بقول واقدی ربیع الاول ۵ھ میں ہوا اور اس میں مدینہ کے خلیفہ سباع بن عرفطہ غفاریؓ تھے۔ دوسرے واقعات ہیں: ۱- عیینہؓ بن حصن فزاری کو تغلمین کی چراگاہ کا عطیہ / معاہدہ بروایت واقدی۔ ۲- وفات والدہ سعد بن عبادہؓ دوران غزوہ دومۃ الجندل۔

بروایت واقدی حضرت سعدؓ غزوہ میں تھے۔

غزوۂ خندق شوال ۵ ہجری: سنہ ۵ ہجری کا اہم ترین واقعہ غزوہ خندق ہے جو امام طبری نے اپنی بنیادی روایت ابن اسحاق (ابن حمید رسلمہ) پر مبنی کیا ہے۔ حسب معمول متعدد بار اس سند کو مختلف وجوہ سے امام طبریؒ لاتے ہیں۔ ان میں شیوخ ابن اسحاقؒ کی تبدیلی اور ضمنی روایات کا درمیان میں دخول اہم ہے۔ (۵۶۴/۲-۵۸۱: درمیان میں ضمنی روایات جو آتی ہیں یہ ہیں: ۱- واقدی: خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمانؓ فارسی جن کا اولین غزوہ تھا۔ رجوع، ۲- محمد بن بشار رعمرو بن عوف مزنی: خندق کی پیمائش اور ہر خاندان کا حصہ خندق، ۵۷۰/۲: فتوحات شام وغیرہ کی پیش گوئی کے مطابق فتوحات فاروقی وعثمانی بروایت ابن اسحاق، رجوع طرف حدیث ابن اسحاق تا واقعہ آخر)۔

غزوہ بنی قریظہ: بھی ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی روایت ہی پر بنیادی طور سے مبنی ہے۔ درمیان درمیان میں جو ضمنی روایات آتی ہیں یہ ہیں: ۱- ابن وکیع رحدیث عائشہؓ: حضرت سعدؓ بن معاذ کے لیے خیمہ اور واقعہ غزوہ بنی قریظہ، رجوع، ۲- ابن وکیع رحدیث ابوسعیدؓ خدری فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ بطور حکم نبوی، رجوع طرف حدیث ابن اسحاق (۵۸۱/۲-۵۹۳: فتح قریظہ بقول ابن اسحاق: ذوالقعدہ یا اوائل ذوالحجہ اور بقول واقدی ذوالقعدہ......)

غزوہ بنی المصطلق رمریسیع: کی تاریخ پر اختلاف کا ذکر اپنے بیانیہ میں کرکے روایات دی ہیں: ۱- ابن اسحاق: شعبان ۶ھ، ۲- واقدی شعبان ۵ھ، پھر واقعات سنہ ۶ھ کا ذکر ہے۔

واقعات سنہ ۶ھ: غزوہ بنی لحیان: ابوجعفر نے اپنے تمہیدی بیان میں تاریخ غزوہ دی ہے: جمادی الاولیٰ- فتح قریظہ کے چھ ماہ بعد اور سبب غزوہ بیان کرکے منازل غزوہ بیان کی ہیں اور بقیہ بیانیہ ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی روایت پر مبنی کیا ہے۔ (۵۹۵/۲)

غزوہ ذی قرد بھی اسی طرح ابن اسحاقؒ پر مبنی کرکے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی حدیث دیگر پر مفصل بیان کیا ہے۔ اس میں بعد میں ابن اسحاق کی مذکورہ سند سے متعدد روایات بھی ہیں جو حدیث سلمہؓ بن اکوع کے بعد ہیں۔ (۵۹۶/۲-۶۰۴)

غزوہ بنی المصطلق: کا ذکر امام طبریؒ نے ابن حمید رسلمہ بن الفضل وعلی بن مجاہد کی مشترکہ

روایات ربن اسحاق سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق کے ان دونوں رواۃ کی یہ مشترکہ روایت کافی مفصل ہے۔ (۲/۶۰۴-۶۰۷) اس کے بعد کی روایات ضمنی ہیں: ۱- ابوکریب رحدیث زیدؓ بن ارقم: واقعہ عبداللہ بن ابی بن سلول: سورہ منافقون کا نزول وغیرہ۔ اس کے بعد رجوع طرف حدیث ابن اسحاق ہے۔ اس کے بعد سلمہ رابن اسحاق کی متعدد روایات اپنے شیخ ابن حمید کی سند سے دی ہیں ۲/۶۱۰ و مابعد: حدیث الافک بھی اسی پر اس کے ساتھ مبنی ہے ۲/۶۱۰ - ۶۱۹: ابن اسحاق کے شیوخ کی تبدیلی کی وجہ سے سند بار بار دہرائی گئی ہے۔ حضرت حسانؓ کے عطایائے نبوی کا ذکر بھی اسی سند و روایت سے ہے جس میں حضرت سیرینؓ اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کا ذکر ہے۔ حدیث عائشہؓ کے مطابق یہ واقعہ عمرۃ القضا کا ہے۔

غزوہ صلح حدیبیہ: ابن اسحاق کی اسی روایت (ابن حمید رسلمہ) کی بنیاد پر پیش کیا ہے جبکہ اپنے تمہیدی بیانیہ میں اس کی تاریخ وغیرہ دی ہے: ذوالقعدہ ۶ھ۔ آغاز خبر رسول اکرم ﷺ کے عمروں سے کیا ہے جو ابن حمید رحکم بن بشیر رعمر بن ذر الہمد انی رمجاہد سے کیا ہے۔ ابن حمید رسلمہ ر ابن اسحاق کی یہ روایت اصلاً حضرات مسورؓ بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی مشترکہ حدیث پر مبنی ہے جو بخاری کی بھی ہے۔ ان دونوں صحابہ کرام کی حدیث مختلف دیگر سندوں سے بیان کی ہیں یا ان کی اسناد کا ذکر کیا ہے جیسے حدیث ابن عبدالاعلیٰ، حدیث یعقوب، حدیث حسن بن یحییٰ جو حضرت سلمہؓ سے مروی ہے اسی طرح احادیث جابرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہؓ بن ابی اوفی اور جابرؓ بن عبداللہ کے کچھ ٹکڑے بھی ہیں۔ درمیان میں جو ضمنی روایات آتی ہیں ان کے بعد امام طبریؒ نے حدیث ابن اسحاق کی طرف رجوع کرنے کا معمول کے مطابق ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اس میں بعض مقامات پر ابن عبدالاعلیٰ و یعقوب کی حدیث کی طرف رجوع کا ذکر ہے (۲/۶۲۶-۶۲۷، ۶۲۸ و مابعد؛ حدیث محمد بن عمارہ و محمد بن منصور کی طرف رجوع کا ذکر بھی ہے (۲/۶۳۰)۔ ان تمام روایات میں ابن اسحاق کی روایت بہر حال بنیادی مصدر ہے۔ (۲/۶۲۰-۶۳۹)

دوسرے واقعات سنہ ہیں: ۱- مومن عورتوں کی آمد و بیعت بحوالہ سورہ ممتحنہ: ۱۰؛ طلاق عمرؓ بن خطاب اور ان کی مطلقات کی دوسری شادیاں۔ ۲- سریہ عکاشہ رغمر بقول واقدی، ۳- سریہ محمد بن مسلمہ، ۴- سریہ ابی عبیدہؓ بن جراح بقول واقدیؒ، ۵- سرایائے زیدؓ بن حارثہ رجموم و

عیص ، طرف ، حسمی ، وادی القریٰ بعض میں حدیث موسیٰ بن محمد بطور ماخذ ، ۶ - سریہ عبدالرحمنؓ بن عوف / دومۃ الجندل ، ۷ - سریہ زیدؓ / ام قرفہ / ابن اسحاق ، ۸ - سریہ علیؓ / فدک ، ۹ - سریہ کرز بن جابر فہری / عرینہ بقول واقدی (حدیث حضرت سلمہؓ بن اکوع) ۔

بعض معاشرتی واقعات تھے : ۱ - جمیلہؓ بنت ثابت بن ابی الاقلح سے حضرت عمرؓ کی شادی ، فرزند عاصم کے بعد طلاق اور ان سے یزید بن جاریہ کی شادی ، ۲ - رمضان میں شدید قحط کے لیے نماز استسقاء ، ۳ - حضرت زینبؓ کے پاس حضرت ابوالعاصؓ بن ربیع کی پناہ و جوار ملوک کے پاس فرامین نبوی کا خاص مبحث واقدی کے علاوہ اصلاً ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق پر مبنی ہے ۔ (۲/ ۶۴۴ - ۶۵۷ : دوسری روایات : ۱ - سفیان بن وکیع / ابن اسحاق ، ۲ - حدیث یزیدؓ بن ابی حبیب واقدی ان میں اہم ترین ہیں ، ابن اسحاقؒ کے بعد)

واقعات سنہ ۷ھ : غزوۂ خیبر : امام طبری کا بیان واقعات سنہ مذکور ہے اور اس میں سب سے اہم غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے ۔ دوسرے اہم واقعات بھی ہیں : لیکن امام طبری نے اپنے بیانیہ میں غزوۂ خیبر سے آغاز کیا ہے اور تعارف غزوہ دینے کے بعد اپنی بنیادی روایت ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق دی ہے ۔ جو کافی طویل و مفصل ہے اور اس کو درمیان درمیان میں توڑ کر ضمنی روایات دیتے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں : ۱ - ابن بشار / بواسطہ شیوخ / حدیث حضرت بریدہ اسلمیؓ ، ۲ - ابو کریب / بواسطہ شیوخ / حدیث حضرت بریدہ اسلمیؓ ۔ ابن اسحاق کی روایت میں مشہور عام واقعات کے برعکس کئی چیزیں ہیں جیسے مرحب سے قتال اور اس کو قتل کرنے کا شرف حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو دیا ہے ۔ (۲/۹ - ۱۶)

غزوات وادی القریٰ ، فدک وغیرہ کا ذکر بھی امام طبریؒ نے ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق کی روایت پر دینے کے علاوہ حضرت حجاج بن علاط بہزی کے اکابر قریش سے اپنے قرض وصول کرنے کا واقعہ اور خیبر کے غنائم و اموال کی تقسیم کا ذکر بھی اسی بنیادی روایت سے کیا ہے ۔

(۳/۱۶ - ۲۱)

مختلف واقعات سنہ کے مآخذ میں واقدیؒ ہیں جن کی بنیاد پر حضرت ابوالعاصؓ کے پاس نکاح اول سے واپسی ، حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ سفیر نبویؐ کے ہمراہ ہدایائے مقوقس کی آمد ، منبر

نبویؐ کی تعمیر (جس کی تاریخ سنہ ۸ھ ثبت ہے)، سرایائے عمرؓ وابو بکرؓ و بشیرؓ بن سعد رفدک کا ذکر کیا ہے جب کہ سریہ غالبؓ بن عبداللہ رمیفعہ کا ذکر ابن اسحاقؒ سے کرنے کے بعد سریہ غالب ربنی عبد بن ثعلبہ و سریہ بشیر بن سعد ریمن وخباب کا ذکر واقدیؒ کی روایت سے کیا ہے۔(۳/۲۱-۲۳)

عمرۃ القضاء: کا ذکر حسب دستور ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی مختلف روایات پر مبنی ہے جن کے درمیان میں دوسری روایات ہیں: ان میں واقدیؒ اہم ترین ہیں۔ اسی میں غزوہ ابن ابی العوجاء سلمی کا ذکر واقدیؒ سے کیا۔ بعض روایات مذکورہ پر ابو جعفرؒ کا نقد و تبصرہ بھی ہے۔(۳/۲۳-۲۶)

واقعات سنہ ۸ھ: کے آغاز میں واقدیؒ کے مطابق حضرت زینبؓ کی وفات کا دوسطری ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت غالبؓ بن عبداللہ اللیثی کے غزوہ بنی الملوح میں واقدی کے علاوہ ابراہیم بن سعید جوہری رامام سعید اور ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی مشترکہ روایت پر خبر غزوہ ہے۔ دوسرے سرایا ہیں: علاء حضرمیؓ رمنذرؓ بن ساوی، عمروؓ بن العاص رعمان، شجاع بن وہب، سریہ عمروؓ بن کعب رذات اطلاح اسلام عمرو بن العاصؓ، عثمانؓ بن طلحہ و خالدؓ بن ولید سب واقدی پر مختصراً مبنی ہیں اور موخر الذکر پر ابن اسحاق کی روایت مفصل ہے۔(۳/۲۶-۳۱)

غزوہ ذات السلاسل بہ امارت حضرت عمروؓ بن العاص سہمی کا ذکر ابو جعفرؒ نے اپنے بیانیہ کے بعد ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی روایت پر کیا ہے جب کہ غزوۃ الخبط کے ماخذ طبریؒ (اولین) واقدیؒ ہیں اور ان کے علاوہ ابن المثنی رحدیث جابرؓ بن عبداللہ دوسری روایت ہے۔ شعبان ۸ھ میں سریہ ابوقتادہ کا بیان ابن اسحاقؒ کی روایت سلمہ رابن حمید پر مبنی ہے۔ اس میں واقدی کا بیان بھی شامل ہے آخر میں، پھر سریہ ابوقتادہ ربطن اضم کا بیانیہ ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق کی روایت پر مبنی کیا ہے جس کے آخر میں قول واقدی سب سریہ کے بارے میں دیا ہے۔(۳/۳۱-۳۶)

غزوۂ موتہ: کا ذکر ابن اسحاقؒ - ابن حمید رسلمہ کی روایت پر کیا ہے اور وہ مفصل بھی ہے۔ اس میں متعدد روایات ابن اسحاقؒ ہیں۔ دوسری روایات ہیں: ۱- قاسم بن بشر بن معروف ر حدیث ابوقتادہؓ وغیرہ۔(۳/۳۶-۴۲)

فتح مکہ: کا بیانیہ طبریؒ ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق سے شروع ہوتا ہے اور اسی کی متعدد روایات پر پورا کیا جاتا ہے۔ دوسری ضمنی روایات ہیں: ۱- واقدی، ۲- ابو کریب ریونس بن بکیر ر

ابن اسحاق (۳/۵۲-۵۴)، ۳-عبدالوارث بن عبدالصمد/ عروہ کا رسالہ خط بنام خلیفہ عبدالملک (۳/۵۴-۵۶)، ان میں واقدی دوسرے اہم ترین ماخذ ہیں جن کی متعدد روایات ہیں۔ اسی کے ساتھ اصنام عرب کی شکست وریخت کی سرایائے خالدؓ، عمروؓ بن العاص وغیرہ واقدیؒ اور ابن اسحاقؒ پر مبنی ہیں۔ بنو جذیمہ کے خلاف مہم حضرت خالدؓ وعلیؓ کے ماخذ بھی ابن اسحاق ہی ہیں۔ (۳/۶۲-۶۹)

غزوۂ حنین واوطاس وطائف: کا بیانیہ علی بن نصر جہضمی / عروہ کی روایت سے شروع ہوتا ہے لیکن پھر ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاق کی روایت پر مبنی ہو جاتا ہے جو ضمنی روایات کے قطع کرنے کی وجہ سے بار بار آتی ہے۔ ضمنی روایات مختصر ہیں جیسے ہارون بن اسحاق/ حدیث البراء۔ اوطاس کے واقعہ میں موسیٰ کندی کی روایت حضرت ابی بردہؓ آگئی ہے ورنہ وہ بھی اصلاً ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاق ہی کی روایت پر مبنی ہے۔ غزوہ طائف کا یہی معاملہ ہے کہ شروع تو علی بن نصر کی حدیث عروہ سے ہوتی ہے اور مبنی ابن اسحاقؒ پر کی گئی ہے۔ اس میں واقدیؒ دوسرے اہم ترین ماخذ ہیں۔ مغانم حنین ومولفۃ القلوب کے عطایا کی بحث طبری بھی ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاقؒ پر مبنی ہے۔ دوسری روایات ہیں: حدیث عمرو بن شعیب وغیرہ۔ جعرانہ سے عمرہ نبوی کا بیان بھی ابن اسحاق پر مبنی ہے۔ غنائم کے حصوں پر واقدی کا قول ہے اور دیگر واقعات جیسے سفارت عمروؓ بن العاص، کلابیہ فاطمہؓ بنت ضحاک سے نکاح نبویؐ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اور ازواج مطہراتؓ کا معاملہ غیرت بھی اسی ماخذ واقدی پر مبنی ہے۔ (۳/۷۰-۹۵)

واقعات سنہ ۹ھ: وفود بنی اسد، بلی اور داریین کا ذکر اپنے بیانیہ میں امام طبریؒ نے "فیما ذکر" کے فقرہ سے کرکے "امر ثقیف واسلامہا" کی سرخی کے تحت واقدی کے قول سے شروع کیا ہے اور اس کا مفصل ذکر ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاقؒ پر مبنی ہے۔ (۳/۹۶-۱۰۰)

غزوۂ تبوک: کا پورا بیانیہ امام طبریؒ نے ابن حمید/ سلمہ/ ابن اسحاق کی روایات عدیدہ پر استوار کیا ہے جو خاصی مفصل ہیں۔ اس میں امام ابوجعفرؒ (طبری) کی بعض مختصر تشریحات ہیں۔ امام ابن اسحاقؒ نے متعدد شیوخ سے اپنی روایات نقل کی ہیں جن کے سبب ان کا بار بار انقطاع اور رجوع نظر آتا ہے جیسے حدیث یزیدؓ بن رومان وغیرہ۔ (۳/۱۰۰-۱۱۱)

اس کے بعد دوسرے واقعات سنہ ہیں: امرطی وعدی بن حاتم - بروایت محمد بن المثنیٰ ر حدیث حضرت عدی بن حاتم، ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق جو خاصی مفصل ہے (۱۱۱/۳-۱۱۵) "قدوم وفد بني تميم و نزول سورة حجرات" کا ذکر قول واقدی سے ضرور شروع کیا ہے مگر ابن اسحاق پر مبنی ہے۔ موت عبداللہ بن ابی بن سلول کا مختصر ذکر قول واقدی پر ہے۔ "قدوم رسول ملوك حمير" ذکر بھی ابن اسحاق سے ماخوذ ہے (ابن حمید رسلمہ)۔ واقدی کے قول پر وفود بہراء، بنی البکاء، بنی فزارہ، وفات نجاشی کی خبر، حج ابی بکرؓ و بعث علیؓ کا ذکر کر کے حارث بن محمد رمحمد بن کعب قرظی کی روایت بھی موخر الذکر کے بارے میں دی ہے۔ اپنے قول ابو جعفر سے اس سنہ میں صدقات کی فرضیت اور اعمال صدقات کی تقرری کا ذکر کیا ہے۔ واقدی کے قول پر وفات حضرت ام کلثومؓ، قدوم وفد ثعلبہ بن منقذ کا ایک سطری ذکر کیا ہے جب کہ وفد سعد ہذیم کا ذکر خاصا مفصل ہے۔ (۱۱۱/۳-۱۲۵)

واقعات سنہ ۱۰ھ: میں شامل ہیں: ۱- سریہ خالد بن ولید ر بنو الحارث بن کعب بروایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق۔ ۲- وفود سلامان، غسان، غامد بقول واقدی اور اسی قول پر حضرت عمرؓو بن حزم کا وفات نبوی کے وقت نجران میں ہونا اور وفود محارب، رہاویین، عبس وغیرہ۔ ۳- قدوم وفد ازد بروایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق، ۴- سریہ حضرت علیؓ ریمن بروایت یحییٰؒ بن عبدالرحمٰن ر براءؓ بن عازب، ۵- قدوم وفد زبید بروایت ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق، ۶- نیز وفود فروہ بن مسیک مرادی، وفد عبدالقیس، بنی حنیفہ، کندہ سب بروایت ابن اسحاق، قدوم رفاعہ بن زید جذامی، وفد بنی عامر بن صعصعہ، وفد طے، معاملات مسیلمہ کذاب اور عمال و امراء کا خروج سب ابن اسحاق سے مروی ہیں۔ (۱۲۶/۳-۱۴۷)

حجۃ الوداع: کا بنیادی اور اصل بیانیہ بھی ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق ہی کی روایت پر مبنی ہے جو بار بار بوجوہ دہرائی جاتی ہے۔ جملۃ الغزوات کے مبحث میں ابو جعفر کا قول و بیان ہے جس کی سند ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق سے اور پھر واقدی کی روایات سے لائی گئی ہے۔ سرایا و بعوث کے مجموعی ذکر کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں ابن المثنیٰ کی حدیث عبداللہؓ بن یزید انصاری اور واقدیؒ کے بعض تبصرے وغیرہ بھی ہیں۔ حج نبوی کا ذکر بعض دوسری روایات سے ہے جیسے عبد

اللہ بن ابی/حدیث جابرؓ، عبدالحمید بن بیان/حدیث ابن عمرؓ، محمد بن علیؒ/حدیث عائشہؓ ومجاہد، ابن حمید/عروہ ابن عمر۔ (۱۶۰-۱۴۸/۳)

متعلقات سیرت: ازواج مطہرات کا ذکر خیر متعدد روایات سے کیا ہے: ۱- بروایت حارث/ابن سعد/ہشام بن محمد کلبی۔ اصل و بنیادی خبر ہے جو حضرت خدیجہؓ سمیت دس ازواج مطہرات کا ذکر کرنے کا علاوہ دوسری ازواج کا بھی حوالہ دیتی ہے۔ ۲- ابوجعفر کا تبصرہ کہ حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آپ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی، بعد میں کی، ان میں اولین پر اختلاف ہے۔ بعض کے مطابق حضرت عائشہؓ اولین تھیں اور بعض کے خیال میں حضرت سودہؓ، ان دونوں کے نکاح کا ذکر کرنے کے بعد تبصرہ کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے حضرت عائشہؓ سے قبل حضرت سودہؓ سے "بنا کر" نے پر تمام اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر ان دونوں ازواج مطہرات سے شادی کی روایات ہیں:

۱- بروایت سعید بن یحییٰ اموی بواسطہ شیوخ از حضرت عائشہؓ۔ ۲- بروایت علی بن نصر اموی بواسطہ شیوخ از حضرت عروہؒ کا خط بنام خلیفہ عبدالملک، ۳- خبر ہشامؒ بن محمد کی طرف رجوع طبریؒ۔ ان میں دوسری ازواج کا بھی ذکر ہے جیسے نشاۃ بنت رفاعہ کلابی، شنباء بنت عمرو غفاری، غزیہ بنت جابر کلابی، اسماء بنت نعمان کندی اور ریحانہ بنت زید قرظی سے فے میں ملی تھیں اور ماریہ قبطیہ ہدیہ میں۔ ان میں چھ قریشی تھیں۔ ۴- ابوجعفر کا ہشام بن محمد کلبی کی اس خبر پر یہ تبصرہ ہے کہ انہوں نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ عامری ام المساکین کا ذکر نہیں کیا۔ ۵- "قیل" کے ساتھ بعض اور ازواج اور ان کے بارے میں روایات طبریؒ میں ہیں۔ ۶- جن خواتین کو پیغام دیا گیا مگر ان سے شادی نہیں کی کی فصل میں طبریؒ نے پانچ خواتین کا ذکر کیا ہے مگر ان کی روایات کا ذکر نہیں کیا وہ ہیں: ام ہانیؓ بنت ابی طالب، ضباعہ بنت عامر، صفیہ بنت بشامہ عنبری، ام حبیب بنت العباس، جمرہ بنت الحارث، سراری نبوی میں حضرت ماریہؓ بنت شمعون قبطیہ اور ریحانہؓ بنت زید قرظیہ کا ذکر کیا ہے اور "قیل" سے یا ان کی روایات کا حوالہ نہیں دیا۔ (۱۶۹-۱۶۰/۳)

موالی نبویؐ: ۱- حضرت زیدؓ بن حارثہ اور ان کے فرزند اسامہؓ، ثوبانؓ، شقرانؓ وغیرہ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے بلا حوالہ کتب و مآخذ۔ صرف حضرت شقرانؓ کے بارے میں مصعبؒ زبیری کا

ابن اسحاق (۳/۵۲-۵۴)، ۳-عبدالوارث بن عبدالصمد/عروہ کا رسالہ خط بنام خلیفہ عبدالملک (۳/۵۴-۵۶)، ان میں واقدی دوسرے اہم ترین ماخذ ہیں جن کی متعدد روایات ہیں۔اسی کے ساتھ اصنام عرب کی شکست وریخت کی سرایائے خالدؓ، عمروؓ بن العاص وغیرہ واقدیؒ اور ابن اسحاقؒ پر مبنی ہیں۔بنو جذیمہ کے خلاف مہم حضرت خالدؓ وعلیؓ کے ماخذ بھی ابن اسحاق ہی ہیں۔ (۳/۶۲-۶۹)

غزوۂ حنین واوطاس وطائف: کا بیانیہ علی بن نصر جہضمی/عروہ کی روایت سے شروع ہوتا ہے لیکن پھر ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایت پر مبنی ہوجاتا ہے جو ضمنی روایات کے قطع کرنے کی وجہ سے بار بار آتی ہے۔ضمنی روایات مختصر ہیں جیسے ہارون بن اسحاق/حدیث البراء۔ اوطاس کے واقعہ میں موسیٰ کندی کی روایت حضرت ابی بردہؓ آگئی ہے ورنہ وہ بھی اصلاً ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق ہی کی روایت پر مبنی ہے۔غزوہ طائف کا یہی معاملہ ہے کہ شروع تو علی بن نصر کی حدیث عروہ سے ہوتی ہے اور مبنی ابن اسحاقؒ پر کی گئی ہے۔اس میں واقدیؒ دوسرے اہم ترین ماخذ ہیں۔مغانم حنین ومولفۃ القلوب کے عطایا کی بحث طبری بھی ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاقؒ پر مبنی ہے۔دوسری روایات ہیں: حدیث عمرو بن شعیب وغیرہ۔جعرانہ سے عمرہ نبوی کا بیان بھی ابن اسحاق پر مبنی ہے۔غنائم کے حصوں پر واقدی کا قول ہے اور دیگر واقعات جیسے سفارت عمروؓ بن العاص، کلابیہ فاطمہؓ بنت ضحاک سے نکاح نبویؐ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اور ازواج مطہراتؓ کا معاملہ غیرت بھی اسی ماخذ واقدی پر مبنی ہے۔ (۳/۷۰-۹۵)

واقعات سنہ ۹ھ: وفود بنی اسد، ولی اور داریین کا ذکر اپنے بیانیہ میں امام طبریؒ نے "فیما ذکر" کے فقرہ سے کر کے "امر ثقیف واسلامہا" کی سرخی کے تحت واقدی کے قول سے شروع کیا ہے اور اس کا مفصل ذکر ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاقؒ پر مبنی ہے۔ (۳/۹۶-۱۰۰)

غزوۂ تبوک: کا پورا بیانیہ امام طبریؒ نے ابن حمید/سلمہ/ابن اسحاق کی روایات عدیدہ پر استوار کیا ہے جو خاصی مفصل ہیں۔اس میں امام ابوجعفرؒ (طبری) کی بعض مختصر تشریحات ہیں۔ امام ابن اسحاقؒ نے متعدد شیوخ سے اپنی روایات نقل کی ہیں جن کے سبب ان کا بار بار انقطاع اور رجوع نظر آتا ہے جیسے حدیث یزیدؓ بن رومان وغیرہ۔ (۳/۱۰۰-۱۱۱)

اولین ردہ بغاوت: ۱-عبیداللہ بن سعد زہری ربواسطہ شیوخ رسیف بن عمر، ۲-سری بن یحییٰ ربواسطہ شیوخ رسیف بن عمر، سری کا مکتوب بنام طبری۔

آغاز مرض وشدت مرض: ۱- ہشام بن محمد رابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی: بیماری کا آغاز خانہ زینبؓ بنت جحش میں، ۲-ابن حمید رسلمہ روعلی بن مجاہد رابن اسحاق: اہل بقیع کے لیے استغفار، تخییر اور آغاز مرض، ۳-ابن حمید رسلمہ روعلی بن مجاہد رابن اسحاق: حدیث عائشہؓ بابت مرض نبویؐ، ۴-حمید بن الربیع الخراز ر...... رفضلؓ بن عباس: مرض میں خطبہ نبویؐ، نماز ظہر کی امامت پھر خطبہ، ۵-احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب ر...... رابوسعیدؓ خدری: مرض میں خطبہ نبویؐ، خوخہ ابی بکر کے سوا تمام روشندان بند، ۶-محمد بن عمر بن الصباح ر...... رعبداللہؓ بن مسعود: خطبہ فراق، وفات نبوی کی خبر، ۷-احمد بن حماد دولابی ر...... رابن عباسؓ: کتاب نبویؐ لکھنے کا واقعہ رہجر کی روایت، ۸-ابوکریب ر...... رابن عباسؓ: کتاب نبوی لکھنے کا واقعہ رہجر کی دو تین روایات، ۹-احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب ر...... رابن عباسؓ: خلافت کے بارے میں حضرت عباسؓ کی حضرت علیؓ سے گفتگو، ۱۰-ابن حمید رسلمہ رابن اسحاقؒ کی متعدد روایات: کتاب رحدیث، غسل نبویؐ، لدود وغیرہ تخییر، ۱۱-محمد ر عروہؒ رعائشہؓ ۱۲-ہشام بن محمد رابومخنف: تخییر نبویؐ رخطبہ ووصیت برائے انصار، لدود، ۱۲-ابوکریب ر یونس بن بکیر رابن عباسؓ: وصیت نبوی کی تردید، حضرت ابوبکرؓ کی امامت کا حکم، ۱۳-ابن وکیع ر شیوخ رعائشہؓ؛ ۱۴-واقدی: امامت ابی بکرؓ کی نمازیں، ۱۴-محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم ر...... ر عائشہؓ: سکرات موت کی شدت، ۱۵-محمد بن خلف عسقلانی ر...... رعائشہؓ: سکرات موت کی شدت، ۱۶-ابن حمید رسلمہ رابن اسحاق: چار روایات: آخری دیدار، افاقہ، دوشنبہ کا واقعہ، وفات نبویؐ وغیرہ۔

یوم وفات: کے بارے میں بقول امام طبریؒ یہ اتفاق ''اہل علم واخبار'' ہے کہ وہ ربیع الاول کا دوشنبہ تھا۔ تاریخ پر اختلاف ہے:

۱-ہشام بن محمد کلبی رابومخنف: ۲ ربیع الاول نصف النہار دوشنبہ، ۲-واقدی: ۱۲ ربیع الاول نصف النہار دوشنبہ وفات، منگل کو تدفین، ۳-عبدالرحمٰن بن ولید جرجانی رابن عمر، ۴-ابراہیم بن سعید جوہری رابن عباس، ۵-احمد بن عثمان رعمرو بن حزم وغیرہ۔

قدوم ابوبکرؓ وخطبات عمرؓ وابوبکرؓ: امام طبریؒ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ابوبکرؓ وفات

کے وقت سنح میں تھے اور مدینہ سے غائب اور حضرت عمرؓ موجود تھے۔ ۱- ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق اور ابن حمید / شیوخ / ابراہیم : آمد ابو بکرؓ وغیرہ، خطبات، واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ، ۳- زکریا بن یحییٰ الضریر نے حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری سے بھی ان واقعات کی کافی مفصل روایت دی ہے جو آخری ہے۔

حدیث السقیفہ : دو مقامات پر طبری نے دی ہے: اول مقام ہے (۳/ ۲۰۳-۲۱۱) اور دوسرا (۳/ ۲۱۸-۲۲۳)۔ ان کی بنیادی روایات ہیں: ۱- علی بن مسلم / بواسطہ شیوخ / ابن عباسؓ، ۲- ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق، ۳- عبیداللہ بن سعید زہری / سیف بن عمر، ۴- ابو صالح ضراری / عروہ - عائشہؓ، ۵- معمر بن راشد، ۶- محمد بن عثمان ثقفی / ابوسفیان بن حرب / ثابت وغیرہ، ۷- ہشام کلبی - اول میں ابن اسحاق، دوم میں سیف بن عمر اصل ہیں۔

غسل و تکفین و تدفین کی روایات منقول ہیں: ۱- ابو جعفر کا قول، بعض / ابن حمید / سلمہ / ابن اسحاق جو متعدد بار آئی ہے اور بنیادی روایت ہے۔ عمر شریف اور تدفین پر مآخذ ہیں (۳/ ۲۱۱-۲۱۷)۔ ۱- ابن المثنی کی متعدد روایات ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؒ وغیرہ، ۲- احمد بن عبد الرحمٰن / عائشہؓ، زیاد بن ایوب: ۶۳ سال، ۶۵ سال یا ۶۰ سال کی عمر۔

مختصر تنقیدی تجزیہ: تاریخ طبری اور اس مولف عالم مقام امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری کی کتاب سیرت ان کی عالمی تاریخ۔ تاریخ الرسل والملوک کا ایک حصہ ہے۔ ان کی عالمی تاریخ کا آغاز آفرینش کی ابتداء، وقت کے تقاعل اور تاریخ انبیاء سے ہوتا ہے اور متعدد اقوام انبیاء کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ایران / فارس کے ملوک کی تاریخ سے جڑ جاتا ہے اور وہ کافی مفصل باب بن جاتا ہے۔ اسی تاریخ فارس کے ایک باب - عہد انوشیروان - کے چالیسویں برس میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت واقع ہوتی ہے لہذا اس اہم باب سیرت کا ذکر تاریخ پارس کے سلسلے کو تھوڑی دیر منقطع کر کے کر دیا جاتا ہے اور اس کے مابعد تاریخ پارس کا سلسلہ مکمل کیا جاتا ہے۔ آخری شہنشاہ ایران یزدجرد بن شہریار اور ایرانی شہنشاہیت کا خاتمہ اگرچہ تاریخ خلافت راشدہ کا باب ہے تاہم وہ بھی اسی سلسلہ میں ہی پورا کیا جاتا ہے اور پھر اس کا سلسلہ نسب رسول اکرم ﷺ سے جوڑ دیا جاتا ہے جس میں آپ ﷺ کا نسب اوپری پیڑھیوں پر چڑھتا جاتا

ہے۔ آباء واجداد نبوی کا ذکر عدنان تک کرنے کے بعد ہی امام طبری نے ''ذکر رسول اللہ ﷺ و اسبابہ '' کی طرف رجوع کیا ہے۔ قبل بعثت اور بعد نبوت کے واقعات سیرت کو امام طبری نے موضوعاتی طریقہ سے مگر تاریخی ترتیب اور زمانی توقیت کے ساتھ بیان کیا ہے جبکہ مدنی دور حیات کے واقعات میں وہ سنہ وار واقعات بیان کرنے کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اس طریقہ کی ایجاد کا شرف ان کے ایک پیش رو صاحب قلم امام ہیثم بن عدی (م ۲۰۶/۸۲۱ یا بعد) کو دیا جاتا ہے۔ وفات نبویؐ کے بعد تاریخ رسل وملوک تاریخ خلافت اسلامی میں ڈھل جاتی ہے۔ (فواد سزگین، مجلد اول۔ ۲/۵۸-۶۰: ''و یعتبر سابقا الطبری بسبب مولفہ تاریخ العالم بالترتیب الزمنی (ابن الندیم، ۱۰۰)''؛ نیز مصادر سیرت نبویؐ میں تاریخ طبری پر مقالہ خاکسار)

امام طبریؒ کی کتاب تاریخ کے ابواب سیرت نبویؐ کے مآخذ ومصادر بالعموم ان کے بیان سے زبانی روایات واحادیث ہیں جو ان کے مختلف شیوخ ان سے اپنے رواۃ وشیوخ کے واسطوں سے بنیادی مآخذ ومصادر سے بیان کرتے تھے۔ یہ محدثین کا طریقہ ہے، جس کی پاسداری امام طبریؒ نے دوسرے قدیم سیرت نگاروں کی مانند کی ہے کہ وہ بھی امام حدیث وسیرت اور ماہر فنون اسلامی تھے۔ ان زبانی روایات میں اور سندی احادیث میں بعض روایات کا انحصار تحریری یادداشتوں، رسالوں رقعوں اور مکتوبات پر بھی ہے جیسے امام طبریؒ نے حضرت عروہؓ بن زبیر اسدی کے متعدد خطوط ومکتوبات کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے خلیفۂ وقت اور اپنے مدنی دور کے عزیز دوست حضرت عبدالملک بن مروان اموی (۶۵/۶۸۵-۸۶/۷۰۵: عہد خلافت) کو ان کے مختلف سوالات سیرت کے جواب میں لکھے تھے۔ اصلاً یہ مکاتیب حضرت عروہؓ بھی پیش رو مولفین سیرت اور خاص کر سیرت ابن اسحاق میں موجود ہیں اور اسی سے نقل ہوئے ہیں۔

زبانی ترسیلات ہوں یا تحریری روایات، ان میں سے کوئی بھی امام طبریؒ کی اپنی اصل دین نہیں ہے، وہ ان کے پیش رووں سے ماخوذ ہیں۔ یہ بات ان کے پیش رو اہل علم۔ اہل حدیث و اہل سیر۔ دونوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے اور بالکل صحیح اطلاق بھی رکھتی ہے۔ البتہ ان کے پیش رووں میں سے کچھ صاحبان تالیف اور مصنفین کتب تھے اور انہوں نے اپنی اپنی کتب سیرت مدون ومرتب کردی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ مروجہ طریقہ اور عصری معیار کے مطابق اپنی

اپنی کتب سیرت اور کتب نسب و تاریخ کی زبانی ترسیل بھی کرتے تھے اور ان کے شاگردان حلقہ ان کی کتابوں کی قلم بندی کر کے اپنی اپنی روایات سیرت رکتب سیرت مدون و مرتب کر کے اشاعت کرتے تھے۔ (مذکورہ بالا محاکمہ ابن اسحاق اور دوسرے مقالات ملاحظہ ہوں)

ان مولفین سیرت و تاریخ و نسب میں چند اصحاب امتیاز و افتخار امام طبریؒ کے زبانی ترسیل سے زیادہ تحریری مآخذ تھے :۱- ان میں سب سے اہم اور سب سے بنیادی ماخذ طبریؒ امام ابن اسحاق اور ان کی کتاب سیرت: ''کتاب المبتدا و المبعث والمغازی'' ہے۔

سیرت ابن اسحاق کی مختلف روایات تلامذہ میں سب سے اہم امام ابن اسحاق کے شاگرد امام سلمہ بن الفضل ابرش بصری کا نسخہ ہے، جسے وہ اپنے شیخ ابن حمید کے واسطہ سے امام سلمہ کی مرتبہ کتاب سیرت ابن اسحاق بتاتے ہیں۔ یہ بلاتکلف کہا جاسکتا ہے کہ طبریؒ کی کتاب سیرت بنیادی طور سے اسی روایت ابن اسحاق پر مبنی اور اسی سے ماخوذ ہے۔

یونس بن بکیرؒ شاگرد و راوی کتاب سیرت ابن اسحاقؒ ان کا دوسرا ماخذ ہے مگر اس کی روایات چند ہیں: بہر حال نسخہ بکیر ان کو معلوم و دستیاب تھا، اگرچہ اس سے انہوں نے زیادہ روایات ابن اسحاق نہیں لیں۔

تیسرا نسخہ سیرت ابن اسحاق ان کے شاگرد راوی علی بن مجاہد (بن مسلم الرازی، ابومجاہد، ۱۰۰ر۷۱۸-۱۸۲ر۷۹۸) کا ہے جس کی بعض روایات انہوں نے منفرد طور سے اور بعض سلمہ بن فضل کے ساتھ ملا کر بیان کی ہیں۔

یہ بہت اہم اور دلچسپ حقیقت ہے کہ امام طبریؒ نے سیرت ابن اسحاق کے مشہور ترین و مقبول ترین نسخہ ابن ہشامؒ یا ان کے شیخ زیادؒ بن عبداللہ بکائی کے نسخہ سیرت ابن اسحاق کا بالکل ذکر نہیں کیا اور نہ کسی جگہ حوالہ دیا۔ یہ یقینی ہے کہ وہ اس نسخہ سے واقف تھے۔

امام واقدی اور ان کے شاگرد و کاتب امام ابن سعدؒ امام طبریؒ کے دوسرے اہم ترین تحریری ماخذ ہیں اگرچہ وہ ان کی روایات کو اپنی سند سے بیان کرتے ہیں اور جو زبانی ترسیل کا دھوکہ دیتی ہے۔ وہ سند بالعموم حارث رابن سعد رواقدی: محمد بن عمر ہوتی ہے، یہ امام طبری کو اور ان کے معاصرین کو بھی معلوم تھا کہ امام واقدی نے امام ابن اسحاق کی مانند اپنی کتاب سیرت اسی

قسم کے عنوان سے مرتب کی تھی: جو "کتاب التاریخ والمبعث والمغازی" کہلاتی تھی اور اس کا طریقہ وکینوس دونوں امام ابن اسحاق کی کتاب سیرت پر مبنی تھا۔ امام ابن سعد کی کتاب سیرت بھی تھی جو اب ان کی الطبقات الکبریٰ میں مدغم ہوگئی ہے اور اس کی اولین دو جلدیں کتاب سیرت ہی ہیں، وہ بنیادی طور سے روایات شیخ واقدی پر مبنی ضرور ہے لیکن اس میں متعدد دوسرے زبانی اور تحریری مآخذ کی روایات بھی ہیں۔

ان دونوں "امامین ہمامین" کے بارے میں طریقہ طبریؒ یہ ہے کہ وہ ان کی روایات بالخصوص امام واقدی کی روایات سیرت بالعموم امام ابن اسحاقؒ کی روایات سیرت کے حریف و مقابل روایات کے بطور لاتے ہیں اور دونوں کے اختلافات کو واضح کرتے ہیں۔ بالعموم وہ امام ابن اسحاق کی تائید کرتے ہیں لیکن امام واقدی کی اختلافی روایات سے صرف نظر نہیں کر پاتے۔ ان کا ذکر، ان کے تبصروں کے ساتھ ضرور کرتے ہیں، اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ امام طبری بہت سے اقوال واقدی کے ذریعہ اختلاف روایات پر محاکمہ کرتے ہیں اور اس سے اہم تر یہ کہ وہ قول واقدی اور نقد واقدی کے سبب ان کے محاکمہ کو ترجیح بھی دیتے ہیں۔

محمد بن سائب کلبی اور ان کے فرزند ہشام بن محمد کلبی امام طبری کے تیسرے تحریری و تقریری ماخذ ہیں۔ ان دونوں کی کتابیں نسب پر تھیں، جن میں سیرت نبویؐ کی خاصی روایات ملتی ہیں۔ علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ امام طبری نے کلبی کی روایات اکثر و بیشتر بطریق ہشام ہی لی ہیں۔ (فواد سزگین، مجلد اول، ۲/۱، ۵۱-۵۷ اور مابعد۔ ہشام بن محمد کا الگ تذکرہ نہیں ہے؛ کلبی (م ۲۰۴/۸۱۹) کی کتاب النسب الکبیر/الجمہرۃ اور کتاب الاصنام بہت مشہور ہیں۔ دوسری کتب بھی ہیں؛ ان کے فرزند ہشام (م ۲۰۶/۸۲۱) ان کے راوی تھے اور صاحب تالیفات بھی)

مصعب زبیری اور ان کے بھتیجے زبیر بن بکار کا ذکر بھی اگرچہ بہت کم ہے مگر آیا ہے۔ یہ دونوں نسب قریش کی کتب کے مولفین تھے اور یہ یقینی ہے کہ امام طبری نے ان سے ہی اپنی روایات لی تھیں۔

ان کے علاوہ بعض دوسرے مولفین سیرت بھی تھے جن کی کتابوں سے امام طبری نے روایات لی ہیں۔ ان میں سیف بن عمر تمیمی (م ۱۴۷/۷۶۴) اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی (م

۱۵۷/۴۷۷) حولیات کے مصنفین ہیں اور ان کی روایات سیرت نبویؐ کے آخری ابواب طبری میں آتی ہیں۔ڈاکٹر جواد علی نے تحقیق کی ہے کہ امام طبری نے اپنے بیشتر مواد تاریخ کو کتب مدونہ سے اخذ کیا ہے۔(فواد سزگین مجلد اول۔۲/۱۲۰ وما بعدہ؛ جواد علی، موارد التاریخ الطبری، مجلۃ المجمع العراقی ۱/۱۹۵۰/۱۴۳-۲۳۱، ۲/۱۹۵۱/۱۳۵-۱۹۰، ۳/۱۵۴/۱۶-۵۶، ۸/۱۹۶۱/۴۲۵-۴۳۶: یہ کتابی شکل میں بھی چھپ گیا ہے، اردو ترجمہ)

سیرت نبویؐ کے اصل ماخذ طبریؒ-ابن حمید/سلمہ بن الفضل/ابن اسحاق کی سند پر مروی روایات یا امام سلمہ کی مرتبہ سیرت ابن اسحاق کا ایک تقابلی مطالعہ ان کی مشہور ترین روایت ابن ہشام/زیاد بکائی/ابن اسحاق یا موجودہ سیرت ابن ہشام بہت اہم ہوگا۔اس تقابلی مطالعہ سے روایات سیرت ابن اسحاق کے اختلافات تو سامنے آئیں گے ہی جیسا کہ بعض تحقیقی مطالعات میں کیا جاچکا ہے۔سیرت ابن اسحاق کی اصل و بنیاد کا بھی پتہ چل جائے گا جو یہ بتائے گا کہ اختلافات صرف جزئیات میں ہیں، ورنہ مبادی سیرت یکساں ہیں۔بہرحال اس کا امکان ہے کہ بعض ابواب و فصول سیرت روایت سلمہ میں یا روایت ابن ہشام/بکائی میں یا روایت یونس بن بکیر و روایت علی بن مجاہد میں نہ ہوں جیسا کہ پہلے کہا جاچکا کہ امام ابن اسحاق اپنی کتاب سیرت میں ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے تھے لہذا بعض رواۃ کو بعض حصے نہ ملے ہوں۔بہرحال امام طبریؒ اور ان کی کتاب سیرت کا سب سے بڑا امتیاز سلمہ بن فضل کی روایات ابن اسحاق کا محفوظ کرنا ہے جو اب کہیں کتابی شکل یا مدونہ کتاب کی صورت میں نہیں ملتیں۔

زبانی ترسیلات یا انفرادی/متفرق روایات کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی کسی نہ کسی کتاب/کتب سے ماخوذ ہیں۔بہرحال ان میں یہ امکان ضرور ہے کہ کچھ خالص زبانی ترسیل و اخذ طبریؒ پر ہی مبنی رہی ہوں۔

امام طبریؒ نے مختلف ابواب سیرت میں بہت سی روایات و معلومات کو صرف اپنے بیانیہ سے ہی پیش کیا ہے اور ان کے لیے کسی ماخذ کا قطعی حوالہ نہیں دیا۔

البتہ بعض ایسی روایات و معلومات طبری بھی ہیں جو عمومی اور نامعلوم ماخذ کی نشان دہی کرتی ہیں۔اور وہ جیسا کہ ذکر کیا گیا (فیما ذکر لی) وغیرہ فقروں سے یا "قیل" (کہا گیا) کے

لفظ تضعیف سے بیان کی گئی ہیں۔

سیرت طبریؒ کا ایک طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ بعض ضعیف روایات اور اختلافی اقوال پر محاکمہ کرتی ہے اور صحیح تر کو ترجیح دیتی ہے۔ لیکن امام طبریؒ نے بہت سے مقامات پر اختلافی اقوال و متصادم آراء و روایات بیان کردی ہیں اور ان میں کوئی محاکمہ نہیں کیا۔

تاریخ طبریؒ میں سیرت نبویؐ کے بعض مباحث و موضوعات یا تو سرے سے آئے ہی نہیں ہیں یا ان کا اختصار عاجز ان کے بیانیے کو ناقص بناتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کی روایات ابن اسحاق یا ان کے اصل ماخذ کی سابقین اولین کے اسلام کے بارے میں روایات طبریؒ اسی قسم کی ہیں۔

سیرت نبویؐ میں تاریخ طبریؒ اور اس کے مولف امام ہمام کا مقام ثانوی ہے کہ وہ اصل مراجع سیرت پر مبنی ہے۔ البتہ ان میں سے بعض مفقود کتب سیرت اور روایات ماخذ کے محفوظ و منقل کرنے کے سبب وہ اصل ماخذ کا مقام و مرتبہ بھی پالیتی ہے۔

رسول رحمت ﷺ عہد حاضر کے تناظر میں

ڈاکٹر لطف الرحمٰن فاروقی

کائنات کا خالق، مالک اور پروردگار اللہ تعالیٰ انسانیت کی ہدایت اور تعمیر و ترقی کے لیے وقت اور حالات کی مناسبت سے ہر دور میں اپنے منتخب و برگزیدہ بندوں کو مختلف اقوام میں مبعوث کرتا رہا۔ اس سلسلے میں قوم بنی اسرائیل کے آخری نبی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ انہوں نے تیس سال کی عمر میں اپنی قوم کو امن و سلامتی کی طرف دعوت دی مگر قوم نے نہ صرف ان کی بات نہ مانی بلکہ ان کو صلیب پر چڑھانے کا حکم بھی جاری کرا دیا۔ اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

اس واقعہ کے ۶۰۹ سال بعد ۱۲/فروری ۶۱۰ء کو دوشنبہ کے دن یکایک غیب سے فرشتہ ظاہر ہوا اور حضرت محمد ﷺ کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دنیا کی ہدایت کے لیے اپنا رسول بنایا ہے۔ اس طرح چھ صدیوں کے بعد آسمان کے ساتھ زمین کا رابطہ دوبارہ بحال ہوا۔ ۱۷/رمضان المبارک (۱۷/اگست ۶۱۰ء) جمعہ کے دن آپ ﷺ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ ابتدا میں سورہ علق کی درج ذیل پہلی پانچ آیات اتریں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ، اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ، الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۱)

پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

دعوہ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد، پاکستان۔

صرف انیس الفاظ پر مشتمل اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی تہذیب وتمدن کے اس ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے صرف علم کی حقیقت اور اہمیت پر زور دیا۔ چوں کہ تہذیب وتمدن کی ترقی وارتقاء صرف اور صرف علم پر منحصر ہے اس لیے ان آیات میں نامعلوم حقائق کی دریافت اور ان کو معلوم کرنے کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ اگر چہ یہ بہت ہی مختصر جملے تھے مگر ان پانچ آیات میں جو مضمون پنہاں ہے اس میں نہ صرف عظمتِ علم کا بیان ہوا بلکہ انسان اور علم کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا اور قیامت تک کے لیے ایک نئی علمی تہذیب کی بنیاد رکھ دی گئی۔

نبوت کا بار گراں پڑنے سے آپ ﷺ کو خوف زدگی کی کیفیت محسوس ہوئی۔ کچھ دیر بعد جب یہ حالت دور ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا: ''اے خدیجہ مجھے کیا ہو گیا ہے''؟ پھر آپ ﷺ نے سارا قصہ ان کو سنایا اور کہا: ''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے''۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہے اور اس سے آپ ﷺ کی نبوت سے قبل کی زندگی کے اعلیٰ وقابل تقلید کردار کی عکاسی ہوتی ہے، جس کو آپ ﷺ کی شریک حیات ہی نہیں پورا مکہ تسلیم کرتا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

کلا واللّٰہ ما یخزیك اللّٰہ ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم و تقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (۲)	ہرگز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بے شک آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں۔ نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔

بظاہر یہ پانچ صفات ہیں مگر اس میں خدمت خلق وفلاح عام کی قابل تقلید وہ مثال موجود ہے جو زماں ومکاں سے بالاتر ہر انسان کے لیے قابل قبول ہے۔ اور اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے آپ ﷺ کی سرشت میں ہی انسان دوستی رکھ دی گئی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ساری زندگی امن وامان اور انسانیت کو عظمت تک پہنچانے کی عظیم داستان ہے۔

حلف الفضول (قیام امن ونگرانی حقوق کی انجمن کا قیام): عرب میں اسلام کے آغاز تک

لڑائیوں کا متواتر سلسلہ جاری رہا ان میں حرب فجار خوں ریزی میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔ یہ جنگ قبیلہ قریش اور قیس کے درمیان ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی الگ الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ پہلے قیس، پھر قریش غالب آئے۔ بالآخر صلح پر خاتمہ ہوا۔

متواتر لڑائیوں سے سیکڑوں گھرانے برباد ہو گئے اور قتل و غارت گری ایک عادت بن گئی۔ یہ دیکھ کر بعض طبقوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی اور خاندان کی سرکردہ شخصیت اور رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر ذی القعدہ سنہ ۲۰ عام الفیل میں ایک معاہدہ ہوا جس میں آپ ﷺ بھی شریک تھے۔ قیام امن کے اس معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس وقت آپ ﷺ کی عمر بیس سال تھی۔ یہ معاہدہ آپ ﷺ کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ آپ ﷺ عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے:

لقد شهدت فی دار عبد الله بن جدعان حلفاً ما احب ان لی به حمر النعم ولو أدعى به فی الاسلام لاجبت (۳)	عبد اللہ بن جدعان کے گھر معاہدے کے وقت میں موجود تھا۔ اس کے معاوضے میں سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو لینا پسند نہ کرتا۔ اسلام میں بھی اس معاہدے کے لیے بلایا جائے تو میں ضرور شریک ہوں گا۔

آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے:

ماکان من حلف فی الجاهلية فان الاسلام لم يزده الاشدة (۴)	جاہلیت میں سے جو معاہدہ تھا، اسلام نے اس کے استحکام ہی کو بڑھایا ہے۔

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ قیام امن اور خدمت انسانیت کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے۔ معاہدے میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے اور حسب ذیل امور پر یہ معاہدہ ہوا:

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔ ۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے۔ ۳۔ ہم غریبوں کی امداد کیا کریں گے۔ ۴۔ ہم زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے

سے روکا کریں گے۔ ۵-ہم مکہ یا غیر مکہ کے مظلوموں کی حمایت کریں گے۔

امن وامان کے قیام اور خون ریزی کے خاتمے کے لیے یہ آپ ﷺ کی پہلی اجتماعی کوشش تھی۔

عالم گیر فساد: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہی تھی۔صدیوں سے انسانیت جس پستی کی طرف جارہی تھی وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔خدا فراموش انسان خود فراموش ہوکر حیوانیت کو بھی مات دے چکا تھا۔اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چند خداشناس دین دار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ میں محفوظ کیے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہوکر کلیساؤں اور صحراؤں میں پناہ لے چکے تھے۔روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو انسانیت کو سنبھالا دے سکے۔حضرت سلمانؓ فارسی جیسے حق وصداقت کے متلاشی کو ایران سے لے کر شام کی آخری حدود تک صرف چار آدمی ایسے ملے تھے جو انبیاء کے بتلائے ہوئے راستے پر تھے۔(۵)

اس عالم گیر تاریکی، پستی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے انتہائی جامع اور موثر انداز میں یوں کھینچا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (۶)	خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔

چند مختصر الفاظ میں انسانیت کی پستی کی ایک جامع تصویر کھینچ دی گئی ہے۔اس کے بعد اگلی ہی آیت میں صاحب نظر افراد کو اس طرف متوجہ کیا گیا کہ اس فساد کی نتیجے میں انسانیت کی جو تباہی و بربادی ہوئی ہے اس کے آثار زمین میں محفوظ ہیں، ان سے سبق حاصل کیا جائے تاکہ اس قسم کی غلطی کو دہرا کر اسی طرح کی بربادی سے دوبارہ دوچار نہ ہونا پڑے۔

رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ (۷)	ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک یا قوم کا نہیں بلکہ تمام نسل انسانی کے مستقبل کا تھا۔ گویا سامنے آگ کا ایک گڑھا تھا جس میں چھلانگ لگانے کے لیے وہ تیار کھڑی تھی۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا:

وَ كُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (۸)	تم آگ سے بھرے ہوئے گھڑے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔

انسانیت کی پستی، انتشار اور خود فراموشی کی ایک اور موثر تصویر کشی حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے استفسار پر مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی جانب سے کی جانے والی تقریر میں نظر آتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا:

ایھا الملک کنا اھل جاھلیة نعبد الاصنام ونأکل المیتة ونأتی الفواحش ونقطع الأرحام و نسیء الجوار ویاکل القوی منا الضعیف (۹)	اے بادشاہ ہم جاہلیت میں پڑی ہوئی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، فحش کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، عہد و پیمان کا پاس کرنے میں برا رویہ رکھتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔

انسانیت کی اس زبوں حالی میں اللہ رب العالمین کی طرف سے رسول رحمت ﷺ کا ظہور ہوا۔ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو امن و سلامتی، آزادی، اخوت، مساوات اور حق شناسی سے آشنا کیا، سچی ہمدردی سکھائی اور فساد زدہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ عالم انسانیت کو بھیانک انجام سے بچانے کے سلسلے میں سرور کائنات ﷺ نے جو اہم کردار انجام دیا، اس کو آپ ﷺ نے تمثیل کی شکل میں یوں بیان فرمایا:

عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ، قال ان مثلی و مثل ما بعثنی اللہ عزوجل به کمثل رجل اتیٰ قومه فقال یا قوم انی رأیت الجیش	حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "میری مثال اور میرے دین کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے

بعيني واني انا النذير العريان فالنجاء فأطاعه طائفة من قومه فادلجوا فانطلقوا على مهلتهم و كذبت طائفة منهم فاصبحوا مكانهم فصبحهم الجيش فاهلكهم واجتاحهم لذلك مثل من اطاعني واتبع ما جئت به و مثل من عصاني وكذب ما جئت به من الحق (۱۰)	میری قوم میں نے (دشمن کے) لشکر کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے، اور میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، سو جلدی بھاگو، اب اس کی قوم میں سے بعض نے اس کا کہا مانا اور وہ شام ہوتے ہی بھاگ گئے اور آرام سے چلے گئے اور بعضوں نے اسے جھٹلایا اور وہ صبح تک اسی ٹھکانے میں رہے، اور صبح ہوتے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کو تباہ کر دیا، اور جڑ سے اکھیڑ دیا۔ سو یہی مثال ہے اس کی جس نے میرا کہنا مانا اور جھٹلایا سچے دین کو"۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ انما مثلی ومثلة امتی كمثل رجل استوقد نارا فجعلت الدواب والفراش يقعن فيه فانا أخذ بحجزكم وانتم تقحمون فيه (۱۱)	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "میری اور میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی، پھر اس میں کیڑے اور پتنگے گرنے لگے اور میں پکڑے ہوئے ہوں تمہاری کمروں کو اور تم بلا تامل اندھا دھند اس میں گرے پڑتے ہو"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور حدیث یوں ہے:

عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة عن رسول الله ﷺ فذكر احاديث منها وقال رسول الله ﷺ مثلی كمثل رجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش وهذه الدواب	حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب اس کے گرد روشنی ہوئی تو اس میں کیڑے اور جانور گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا، لیکن وہ نہ رکے اور اس میں گرنے لگے۔ یہ مثال ہے میری اور

التی فی النار یقعن فیھا وجعل یحجزھن ویغلبنہ فیتقحمن فیھا قال فذالکم مثلی ومثلکم انا اٰخذ بحجزکم عن النار ھلم عن النار فتغلبونی وتقحمون فیھا (۱۲)

تمہاری، میں تمہاری کمر پکڑ کر جہنم سے روکتا ہوں اور کہتا ہوں جہنم کے پاس سے چلے آؤ اور تم نہیں مانتے اور گھستے جاتے ہو"۔

اس سلسلے میں ایک اور روایت یوں ہے:

عن جابر قال رسول اللہ ﷺ مثلی ومثلکم کمثل رجل اوقد نارا فجعل الجنادب والفراش یقعن فیھا وھو یذبھن عنھا وانا اٰخذ بحجزکم عن النار وانتم تفلتون من یدیّ (۱۳)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، اور ٹڈی اور پتنگے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو روکنے لگا۔ اسی طرح میں تمہاری کمر تھامے ہوئے ہوں، آگ سے تم کو بچاتا ہوں اور تم ہو کہ میرے ہاتھ سے نکلے جاتے ہو"۔

انسانیت کی اس زبوں حالی کی کیفیت میں اللہ رب العالمین نے رسول اللہ ﷺ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔(۱۴)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام عالم انسانیت کے لیے اس لیے بھی رحمت تھی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب انسانوں کے لیے ایک مکمل شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کی بعثت صرف عرب کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام نسل انسانی کے لیے تھی اور اس کی رحمت سے تمام نسل انسانی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

جنگ برائے امن: حق و باطل کی کشمکش ازل سے ہے اور اس میں جنگ لازمی ہے۔ مگر اسلام انسان دشمنی اور کشور کشائی کے لیے جنگ نہیں کرتا بلکہ انسان کو انسان کی غلامی اور محکومی سے نجات دلا کر تمام انسانوں کے خالق و مالک اور پروردگار کی غلامی میں لانے، انصاف، مساوات

اور ظلم و جبر سے پاک ایک پر امن معاشرہ قائم کرنے اور ایک عالمی انسانی برادری تشکیل دینے کے لیے جنگ کرتا ہے۔ اسلام میں جہاد کی بنیاد لڑنے والے کی نیت پر ہے۔ کوئی بھی مجاہد اپنی ذات کے لیے یا اپنا ذاتی انتقام لینے کے لیے جنگ نہیں کرتا۔ جو کوئی اپنی ذات کو مقدم رکھے گا اور چاہے کتنا ہی نیک کام کیوں نہ کرے، اللہ کے نزدیک بے ثمر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے استفسار کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث بیان کیجیے تو انہوں نے فرمایا:

نعم سمعت رسول الله ﷺ يقول : ان اول الناس يقضى يوم القيامة عليه رجل استشهد فاتى به فعرفه نعمته فعرفها ، قال : فما عملت فيها ؟ قال قاتلت فيك حتى استشهدت ، قال كذبت ، ولكنك قاتلت لان يقال جرئ فقد قيل ، ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار ، ورجل تعلم العلم و علمه وقرأ القران فاتى به فعرفه نعمته فعرفها ، قال فما عملت فيها ؟ قال تعلمت العلم وعلمته وقرأت فيك القران ، قال كذبت ولكنك تعلمت العلم ليقال عالم ، وقرأت القران ليقال هو قارئ ، فقد قيل ، ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار ، ورجل وسع الله عليه

ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جس پہلے شخص کا فیصلہ ہوگا وہ شہید ہوگا۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں اس کو جتلائے گا، وہ پہچانے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ "تم نے اس کے لیے کیا عمل کیا"؟ وہ کہے گا: "میں تیری راہ میں لڑا، یہاں تک کہ شہید ہوا"۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ بولا، تو تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور تجھے بہادر کہا گیا"۔ پھر حکم ہوگا اور اس کو اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک اور شخص ایسا ہوگا جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں جتلائے گا، وہ انہیں پہچانے گا تو اللہ فرمائے گا: "تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا"؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا، پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری

واعطاه من اصناف المال كله فاتي به فعرفه نعمته فعرفها ، قال فما عملت فيها ؟ قال ما تركت من سبيل تحب ان ينفق فيها الا انفقت فيها لك ، قال كذبت ولكنك فعلت ليقال هو جود ، فقد قيل ، ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار (۱۵)

رضا کے لیے قرآن پڑھا"۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ بولا۔ تو نے تو علم اس لیے حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو یہ کہا جا چکا ہے" پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے۔ ایک اور شخص وہ ہوگا جس پر اللہ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اسے بھی لایا جائے گا اور اسے اللہ کی نعمتیں جتلائی جائیں گی، وہ انہیں پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا"؟ وہ کہے گا: "میں نے تیرے ہر راستے میں، جہاں مال خرچ کرنا تجھے پسند ہو، تیری رضا کے لیے مال خرچ کیا"۔ اللہ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ بولا بلکہ تو نے اس لیے ایسا کیا کہ تجھے سخی کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا ہے"۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

اسی سلسلہ میں صحیح مسلم میں منقول حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی یہ حدیث قدسی انسانیت کے احترام کی اہمیت کو یوں اجاگر کر رہی ہے:

عن ابی هريرة قال ، قال رسول الله ﷺ : ان الله عزوجل يقول يوم القيامة ، يا ابن آدم ، مرضت فلم تعدنى ، قال يا رب كيف اعودك

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے اے ابن آدم میں بیمار ہوا تھا تو تم نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب!

وانت رب العالمین ؟ قال ما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده ، اما علمت انك لو عدته لوجدتنی عنده ، یا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمنی ؟ قال یا رب و کیف اطعمك وانت رب العالمین ، قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اما علمت انك لو اطعمته لوجدت ذلك عندی ، یا ابن آدم استسقیتك ، فلم تسقنی ، قال یا رب کیف اسقیك وانت رب العالمین ، قال استسقاك عبدی فلان فلم تسقه ، اما انك لسقیته وجدت ذلك عندی (۱۶)

میں کیسے آپ کی عیادت کرسکتا ہوں، جب کہ آپ تمام عالم کے پروردگار ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تم نے اس کی عیادت کی ہوتی تو تم مجھے اس کے پاس پاتے؟ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا طلب کیا تو تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا، اے میرے رب! میں کیسے آپ کو کھلا سکتا ہوں جب کہ آپ سارے جہاں کے پروردگار ہیں ۔ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا طلب کیا تھا تو تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو تم (اس کا ثواب) میرے پاس پاتے ۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا تو تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو پانی پلا سکتا ہوں، جب کہ آپ سارے جہاں کے پروردگار ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) تم سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا تو تم نے اسے پانی نہیں پلایا، اگر تم نے اسے پانی پلایا ہوتا تو تم اسے (یعنی اس کی جزا) میرے پاس پاتے۔

ان احادیث پر یقین رکھنے والا ہر مسلمان صرف اللہ کی خاطر اور اس کے رسول ﷺ

کے بتائے ہوئے قواعد وضوابط کے مطابق ہی جہاد کرسکتا ہے جو بلا امتیاز ہر شخص کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ اسلام نے جنگ کے لیے چند ناگزیر اصول مقرر کردیے ہیں تاکہ کسی بھی صورت میں ان کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

جنگ کے چند اصول: رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابؓ کو کسی مہم پر روانہ کرتے ہوئے جو ہدایات فرماتے تھے وہ تاقیامت سپاہ سالاروں کے لیے رہنما اصول ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا، جب رسول اللہ ﷺ کوئی فوجی دستہ روانہ کرتے تو یہ ہدایت فرماتے:

۱- اغزوا بسم اللہ (جنگ کرو اللہ کے نام سے)۔ ۲- وفی سبیل اللہ (اور اللہ کی راہ میں)۔ ۳- تقاتلون من کفر باللہ (ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ سے کفر کریں)۔ ۴- لا تغلوا ولا تغدروا (مبالغہ آرائی نہ کرو اور دھوکا نہ دو)۔ ۵- ولا تمثلوا (اور مثلہ [اعضاء کا کاٹنا] نہ کرو)۔ ۶- ولا تقتلو امراۃ ولا ولیدا (اور نہ قتل کرو عورتوں اور بچوں کو)۔ ۷- فاذا بعثت جیشا او سریۃ فمرھم بذلک (جب کوئی فوجی مہم بھیجو یا کوئی دستہ روانہ کرو تو ان کو بھی ایسا ہی حکم دینا)۔(۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اسامہؓ بن زید کی سپہ سالاری میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ کرنے کا اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے اس مہم کو بھیجا اور اس موقع پر جو ہدایات دیں وہ بھی اسلامی قوانین جنگ کی بنیاد فراہم کرتی ہیں اور سپہ سالاروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

یا ایھا الناس قفوا اوصکم بعشر فاحفظوھا عنی : لوگو ٹھہرو میں تمھیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، میری ان باتوں کو یاد رکھو:

۱-لا تخونوا (خیانت نہ کرنا)۔ ۲-ولا تغلوا (اور مبالغہ آرائی نہ کرنا)۔ ۳-ولا تغدروا (اور دھوکا نہ دینا)۔ ۴-ولا تمثلوا (اور مثلہ نہ کرنا)۔ ۵-ولا تقتلوا اطفالا صغیرا ولا شیخا بیرا ولا امراۃ (اور چھوٹے بچوں، بوڑھے مردوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا)۔ ۶-ولا تعقروا نخلا ولا تحرقوہ ولا تقطعوا شجرۃ مثمرۃ (اور کھجور کے درخت نہ کاٹنا، نہ انہیں جلانا اور نہ کوئی پھل دار درخت کاٹنا)۔ ۷-ولا تذبحوا

شاة ولا بقرة ولا بعیرا الا لماکلة (اور بھیڑ بکری اور گائے کو کھانے کے علاوہ ذبح نہ کرنا)۔ ۸-وسوف تمرون باقوام قد فرغوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم وما فرغوا انفسهم له (تمہارا گزر ایسے لوگوں کے پاس ہوگا جو اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کیے، گرجوں اور عبادت خانوں میں بیٹھے ہیں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا، ان سے کوئی تعرض نہ کرنا)۔ ۹-وسوف تقدمون علی قوم یاتونکم بآنیة فیها الوان الطعام فاذا اکلتم منها شیئا بعد شئی فاذکروا اسم الله علیها (تمہیں ایسے لوگوں کے پاس جانے کا موقع ملے گا جو تمہارے لیے برتنوں میں ڈال کر متنوع کھانے پیش کریں گے، ان کو کھاتے ہوئے بسم اللہ ضرور پڑھنا)۔ ۱۰-وتلقون اقواما قد فحصوا اوساط رؤوسهم وترکوا حولها مثل العصائب فاخفقوهم بالسیف خفقا (تم ایسے لوگوں سے ملوگے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ منڈوا رکھا ہوگا لیکن سر کے چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکی ہوں گی، انہیں تلوار سے قتل کر دینا)۔ اندفعوا باسم الله اقناکم الله بالطعن والطاعون (طعن وطاعون سے اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔ اللہ تمہیں شکست سے محفوظ رکھے)۔

اس کے بعد خاص طور پر اسامہؓ کو نصیحت کی۔ (۱۸)

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تمام حق پسند خلفاء اور امراء نے ان جنگی اصولوں کی پابندی کی، اور یہ پابندی دائمی ہے۔

تہذیب حاضر کی انسانیت دشمنی: بیسویں صدی کو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا عہدِ معراج کہا جاتا ہے۔ اس صدی میں انسان نے اپنی محیر العقول ایجادات وانکشافات سے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اپنے حیوانی و وحشیانہ صفات پر بھی قابو پاسکا ہے؟

بیسویں صدی کے انسان دو بڑی جنگوں سے دوچار ہوئے۔ یہ دونوں جنگیں مادی وسائل پر قبضہ کرنے، دوسری اقوام کو محکوم اور غلام بنانے اور اپنی تجارت کو وسعت دینے کی غرض سے ہوئیں۔ ذیل میں ۲۰/اگست ۱۹۱۴ء تا ۱۱/نومبر ۱۹۱۸ء کے دوران میں برپا ہونے والی جنگ

عظیم اول کے حوالے سے چند اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جس سے نام نہاد جدید تہذیب یافتہ اقوام کے خون سے رنگے چہرے واضح ہو جاتے ہیں۔

جنگ عظیم اول میں انسانی جانوں کا نقصان: ولیم ایل لینگر کے مطابق پہلی جنگ عظیم کے جانی نقصانات کا سرسری اندازہ کم و بیش ایک کروڑ لگایا گیا اور دو کروڑ کے قریب زخمی ہوئے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ملک	مقتول	مجروح یا زخمی	اسیران جنگ
برطانیہ	۹۴۷,۰۰۰	۲,۱۲۲,۰۰۰	۱۹,۲,۰۰۰
فرانس	۱,۳۸۵,۰۰۰	۳,۰۴۴,۰۰۰	۴۴۶,۰۰۰
روس	۱,۷۰۰,۰۰۰	۴,۹۵۰,۰۰۰	۲,۵۰۰,۰۰۰
اٹلی	۴۶۰,۰۰۰	۹۴۷,۰۰۰	۵۳۰,۰۰۰
جمہوریہ امریکہ	۱۱۵,۰۰۰	۲۰۶,۰۰۰	۴,۵۰۰
جرمنی	۱,۸۰۸,۰۰۰	۴,۲۴۷,۰۰۰	۶۱۸,۰۰۰
آسٹریا، ہنگری	۱,۲۰۰,۰۰۰	۳,۶۲۰,۰۰۰	۲,۲۰۰,۰۰۰
ترکی	۳۲۵,۰۰۰	۴۰۰,۰۰۰	

جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے، ایک کھرب اسی ارب اور پچاس کروڑ ڈالر کی رقم براہ راست خرچ ہوئی۔ بالواسطہ خرچ کی مقدار ایک کھرب اکاون ارب اکسٹھ کروڑ ڈالر تھی۔ (۱۹)

اخبار ''ہمدم'' ۱۷؍ اپریل ۱۹۱۹ء کے مطابق اس جنگ میں مندرجہ بالا ممالک کے علاوہ دیگر ممالک کے جانی نقصانات یہ تھے:

بلجیم ۱۰۲,۰۰۰ بلغاریہ ۱۰۰,۰۰۰

رومانیہ ۱۰۰,۰۰۰ سرویہ، مانٹی نیگرو ۱۰۰,۰۰۰ (۲۰)

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں ۸,۳۴۴,۰۰۰ افراد براہ راست قتل ہوئے۔ زخمیوں اور اسیروں کی تعداد سے بھی جدید مادی تہذیب کی خوف ناک انسانیت دشمنی بے نقاب ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں حیات نبوی ﷺ کے آٹھ سالوں پر محیط ۸۲ جنگوں کے

احوال حیران کن ہیں۔

مغربی تہذیب پر علامہ اقبال کا تبصرہ: علامہ اقبال بیسویں صدی کے آغاز یعنی ستمبر ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے برطانیہ اور جرمنی کے سفر پر روانہ ہوئے اور جولائی ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے۔ دوران قیام مغرب، انہوں نے جدید علوم وفنون میں غوطہ زن ہونے کے ساتھ وہاں کی مادہ پرستانہ تہذیب کے خوف ناک چہرے کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا۔ مغربی اقوام کے وسیع تجارتی سلسلے مختلف یورپی قوموں میں کشمکش کا باعث بنے اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹانے اور تجارتی منڈیوں پر قابض ہونے کے لیے انہوں نے خوف ناک جنگی آلات ایجاد کیے اور یہی جنگی آلات وساز وسامان یورپی تہذیب کو تباہی کے دہانے پر لے گئے۔

ایک صاحب نظر فلسفی شاعر کی حیثیت سے اقبال نے اپنی نظم "مارچ ۱۹۰۷ء" میں اس خوف ناک حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

دیار مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہوگا (۲۱)

جنگ عظیم اول کے اعداد وشمار یہ بات واضح کرتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جن خدشات کا اظہار ۱۹۰۷ء میں کیا تھا، وہ سات سال کے قلیل عرصہ کے بعد درست ثابت ہوئے۔

جدید تہذیب اپنی تمام تر مادی ترقی اور ایجادات واختراعات کے باوجود اپنے اندر ناقابل ضبط وحشیانہ صفات رکھتی ہے۔ چنانچہ مغرب نے سائنس اور دیگر علوم میں جو کمالات حاصل کیے، اس سے انسانیت کی خدمت کے بجائے ایک دوسرے کو زیر اور برباد کرنے کے لیے نہایت خوف ناک جنگی ہتھیاروں سے انسانوں کا بے دردی سے خون بہایا اور صدہا صدیوں میں پروان چڑھے تہذیب وتمدن کو برباد کردیا۔ دراصل جس تہذیب کی بنیاد سرمایہ کاری پر ہو وہ حرص و ہوس کو ہی ترجیح دیتی ہے اور حرص وہوس سے انسانوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور وہ موقع پاتے ہی تہذیب وتمدن کو ڈھا دیتے ہیں۔ علامہ اقبال کے مطابق مغرب کے سرمایہ داروں اور

حکمرانوں نے اپنے اغراض کے لیے انسانوں کو نشانۂ ستم بنا رکھا ہے اور اپنے ہی ہم جنس انسانوں کو شکار کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ دراصل یہ قدیم بادشاہت کی ایک جدید شکل ہے جس کی وجہ سے عام انسانوں کو ایک لمحہ بھی چین و سکون میسر نہیں۔

موجودہ تہذیب جو یورپ کی پیداوار ہے اور باہر سے دیکھنے میں بڑی چمک دار ہے اور اس کی تیز روشنی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے مگر اس کے اصل رنگ انتہائی خوف ناک ہیں۔ جس دانائی اور حکمت پر یورپ کے عقل مندوں کو ناز ہے، اس کی حقیقت حرص اور لالچ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تہذیب تباہ کن جنگی ہتھیار لیے انسانی خون کی تلاش میں سرگرداں ہے اور ان کو بے بس انسانوں پر استعمال کرتے ہوئے کسی بھی اخلاقی اصول کی پروا نہیں کرتی۔ علامہ اقبال نے اپریل ۱۹۲۳ء میں "طلوع اسلام" نظم میں اس کے خوف ناک چہرے کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا تھا:

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوع انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے (۲۲)

بیسویں صدی کی تہذیب کش جنگیں: بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے عزم اور جنگ عظیم اول کے تجربہ کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے "جمعیت اقوام" اور اس کی ناکامی کے بعد "اقوام متحدہ" کا ادارہ قائم کیا گیا، مگر وہ بھی ان مقاصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوا، یہ ایک بنیادی سوال ہے۔ ان اداروں کے قوانین کو پامال کرتے ہوئے جابجا خون کی ہولی کھیلی گئی۔ پچھلی صدی میں انسانی جانوں کا جو ضیاع ہوا وہ برطانیہ جیسے تین ممالک کی کل آبادی کے برابر ہے۔ جب کہ ۱۹۵۰ء میں دنیا کی کل آبادی ۲۴۰۰ ملین تھی۔ مختلف

ذرائع سے حاصل کردہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس کی واضح مثال ہیں۔

انسانیت دشمنی کی چند مثالیں:

سال	مقتولین
۱۸۸۶ء تا ۱۹۰۸ء کانگوفری اسٹیٹ تحریک کے خلاف بلجیم کا تشدد	۶,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء جنگ عظیم اول	۸,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۲ء انقلاب روس کے دوران میں خانہ جنگی	۲,۸۲۵,۰۰۰
۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۵ء روس میں اسٹالن کے مظالم اور تشدد	۲۰,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۳۵ء ۱۹۳۶ء ابی سینا جنگ میں اطالیہ کا ظلم و تشدد	۱۶۰,۰۰۰
۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء جنگ عظیم دوم	۷۱,۰۰۰,۰۰۰
جنگ کے بعد مشرقی یورپ سے جرمنوں کے انخلاء کے دوران	۲,۳۸۴,۰۰۰
۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۹ء انقلاب چین کے دوران خانہ جنگی	۳,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۴۹ء تا ۱۹۷۵ء چین میں موزے تنگ کی اصلاحات کے دوران	۴۰,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء کوریا جنگ میں	۱,۲۰۰,۰۰۰
۱۹۴۴ء تا ۱۹۸۰ء مارشل ٹیٹو کے دور میں یوگوسلاویہ میں	۲۵۰,۰۰۰
۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۱ء الجزائر میں فرانسیسی تشدد میں	۱,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۳ء امریکی ویت نام جنگ میں	۱,۰۳۳,۰۰۰
۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۸ء کمبوڈیا میں کھمار روز عہد حکومت میں	۱,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۹ء افغانستان میں روسی حملے کے دوران	۲,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۸ء ایران عراق جنگ میں	۱,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۱ء خلیج جنگ میں	۱۵۰,۰۰۰
۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء بوسنیا کی خانہ جنگی میں	۲۸۰,۰۰۰
مقتولین کی کل تعداد	۱۶۲,۷۸۲,۰۰۰

ولیم ایل لینگر نیویارک ٹائم کے حوالے سے الجزائر میں دو سال دس مہینے کی جنگ کے

نقصانات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

الجزائری مقتولین	۳۶,۰۰۰	اسیر	۲,۰۰۰۰
فرانسیسی فوجی مقتولین	۴۰۰۰	مجروح اور لاپتہ	۱۰,۰۰۰
غیر مصافی مسلمان مقتولین	۶,۰۰۰	مجروح	۳,۷۰۰
		لاپتہ	۲۳۰۰
غیر مصافی یورپی مقتولین	۱,۰۰۰	مجروح	۲۷,۰۰
		لاپتہ	۱۴۰

ان اعداد و شمار کے علاوہ خود فرانس میں تین سو الجزائری قتل اور دو ہزار چار سو زخمی ہوئے۔ (۲۳)

ہیروشیما میں جوہری طاقت کا وحشیانہ استعمال: دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں ہیروشیما کی آبادی دو لاکھ سے کم نہیں تھی اور یہ جاپان کا وہ واحد شہر تھا جو بمباری سے بچا ہوا تھا اس لیے اطراف سے جاپانی نقل مکانی کر کے یہاں آتے رہے چنانچہ اگست ۱۹۴۵ء میں یہاں کی آبادی پونے چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ ۶ر اگست ۱۹۴۵ء بروز اتوار صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر جاپان کے دار الحکومت ٹوکیو سے ۵۲۷ میل کے فاصلہ پر واقع شہر ہیروشیما پر دنیا کا پہلا جوہری بم پھینکا گیا جس کے نتیجے میں ۲۰,۰۰۰ عسکری اور ۱۱۸,۶۶۱ غیر فوجی انسان پلک جھپکتے لقمہ اجل بن گئے۔ بم گرنے سے ارد گرد تین ہزار گز کے رقبے میں درجہ حرارت پانچ ہزار تین سو ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ گیا۔ اس وقت لو کی رفتار بارہ سو فٹ فی سکینڈ تھی۔ ہزاروں انسان جل کر راکھ ہو گئے، باقیوں کی چمڑی گل گئی اور جسم بھننے لگا، کھال ادھڑ گئی، سر کے بال گرنے لگے بھنویں اور پپوٹے جھڑ گئے۔ ان کا شمار زندوں میں رہا نہ مردوں میں۔ جو لوگ کچھ فاصلے پر تھے وہ بھی تاب کاری کا شکار ہوئے اور تہذیب حاضر کے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنے رہے۔ جو ابھی بھی زندہ ہیں وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ کس گناہ کی پاداش میں ہمیں یہ سزا دی گئی ہے۔ ۱۳ مربع کلو میٹر یعنی ۵ مربع کلو میٹر کا علاقہ تباہی سے دوچار ہوا۔ شہر کے ۷۶,۰۰۰ مکانات کا ستر فی صد جل کر راکھ ہوا جن میں اسکول، کالج، ہسپتال، مذہبی عمارتیں، یتیم خانے اور معذور افراد کے پناہ گھر شامل تھے۔

ناگاساکی: اس حادثے کے تین روز بعد ۹ راگست بروز بدھ جاپان کے ایک اور شہر ناگاساکی پر دوسرا جوہری بم گرایا گیا جس سے ۲۵۰,۰۰۰ بنی آدم لقمہ اجل بنے۔اس کے علاوہ ۱۹۵۰ء تک اس کے اثرات سے مزید ۳۰۰,۰۰۰ لوگ مارے گئے۔انسانی تاریخ میں ان دو واقعات کے علاوہ اتنے کم وقت میں اس قدر زیادہ جانی نقصانات کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔

ویت نام جنگ میں انسانی تہذیب کی تباہی: ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک کل ۱۸ سال پر محیط ویت نام جنگ میں جدید دور کے مہذب انسانوں کے ہاتھوں انسانی تہذیب کی جو تباہی ہوئی اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

تعلیمی ادارے تباہ ہوئے ۲۹۲۳۔ ہسپتال تباہ ہوئے ۱۸۵۰۔

گرجے اور کلیسا تباہ ہوئے ۴۸۴۔ دیگر عبادت خانے ۴۶۵۔

علاوہ ازیں ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی میں کل ۳,۰۰۰,۰۰۰ لوگ مارے گئے، ۵,۰۰۰,۰۰۰ لوگ زخمی ہوئے اور ۱۰,۰۰۰,۰۰۰ لوگ ہمسایہ ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

مندرجہ بالا تمام واقعات اور ان کے نتیجے میں ہونے والی یہ تباہی و بربادی دین اور مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ سب ہوس زور وزر کے سبب ہوئی۔اور اس کے نتیجہ میں آج بھی دنیا کی ۳ فی صد آبادی اپنے وطن سے باہر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

دوسری عیسوی ہزاریے کا آغاز بڑے بلند بانگ دعووں کے ساتھ کیا گیا۔امید کی گئی کہ یہ ہزاریہ جنگوں سے پاک ایک پرامن ماحول میں انسانیت کے عروج کا ہزاریہ ثابت ہوگا۔مگر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکا کے شہر نیویارک میں دنیا کے ۶۷ ممالک سے تعلق رکھنے والے ۶۷۰۰ افراد لقمہ اجل بنے۔گو بعد میں اعداد و شمار سے یہ تعداد کم یعنی ۲۷۵۲ بتائی گئی۔

اس واقعہ کے نتیجے میں مارچ ۲۰۰۳ء سے عراق میں جاری جنگ میں اب تک سات لاکھ سے زائد انسانی جانوں کا نقصان ہو چکا ہے،ایک لاکھ لوگ بے گھر ہو چکے ہیں اور اب تک کم از کم ۳۹۰۰ امریکی فوجی کام آچکے ہیں۔قدیم انسانی تہذیب کے گہوارے کو جو نقصان ہوا، وہ ناقابل تلافی ہے۔

عظمتِ انسانیت: مندرجہ بالا اعداد و شمار سے تہذیب حاضر کی ہولناک وحشیانہ تصویر

سامنے آتی ہے جو اپنے جنگی جنون میں نہ صرف بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق افراد کا قتل عام کرتی ہے بلکہ انسانوں کے ہاتھوں سجائے تہذیب وتمدن کو بھی نیست و نابود کر دیتی ہے۔ رسول رحمت ﷺ کی دی گئی تعلیمات اس بات کا پابند کرتی ہیں کہ غیر عسکری افراد کی جان و مال کا بلاتخصیص عقائد و نظریات، رنگ، نسل اور زبان و ثقافت احترام کیا جائے کیوں کہ اسلام کے نزدیک انسانی جان تخلیقی طور پر محترم و مکرم ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ	اور ہم نے ابن آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ	اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ	چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۲۴)	پر نمایاں فوقیت بخشی۔

انسانی جانوں کا احترام: رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوی زندگی میں انسانی جانوں کے احترام کی لازوال مثالیں قائم کیں، کل ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں سے ۱۳ سال آپ ﷺ نے اپنے ہم وطنوں اور قبیلے قریش کے درمیان بسر کیے۔ مکہ کے بااختیار لوگ آپ ﷺ کے اصحاب پر ناقابل برداشت مظالم ڈھالتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم پر کم و بیش تین سال تک سیاسی، سماجی اور اقتصادی پابندیاں عائد رکھیں۔

اپنے خاندان اور اہل مکہ سے مایوس ہو کر جب آپ ﷺ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا تو اہل طائف نے بھی آپ ﷺ پر مظالم کی انتہاء کر دی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد لقيت من قومك وكان اشد	میں نے تیری قوم سے بہت آفت اٹھائی ہے اور
ما لقيت منهم يوم العقبة (۲۵)	سب سے زیادہ سخت رنج مجھے عقبہ کے دن ہوا۔

مکی زندگی کے دوران اور مدنی زندگی میں بھی متعدد مواقع ایسے آئے کہ مشرکین مکہ اور کفار سے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ مگر آپ ﷺ نے ہر موقع پر جنگ کرنے سے گریز کیا کیوں کہ دعوت حق کے لیے جنگ و جدال آسانی پیدا کرنے کے بجائے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کی اس حکمت عملی کو قرآن مجید میں یوں سراہا گیا:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (۲۶)	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، جب کہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے۔

ایک اور آیت میں اسی مضمون کو مزید واضح کیا گیا ہے: هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۔(۲۷)

پہلی آیت میں مسلمانوں اور کفار کو باہم جنگ جدل سے روک رکھنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں مخالف گروہ کفار پر فتح حاصل کرنے کے باوجود ان کو کوئی ایذا نہ پہنچانے کو اللہ نے اپنی شان سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا کسی انسانی جان کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں کل ۸۳ جنگیں لڑیں جن میں ۵۶ سرایا اور ۲۷ غزوات ہیں۔ ان جنگوں میں ۲۵۹ مسلمان شہید اور ۷۵۹ کفار مارے گئے جب کہ ایک مسلمان اور ۶۵۶۴ کفار اسیر ہوئے۔ اس دوران جو غیر معمولی نتائج برآمد ہوئے اس کے بارے میں ممتاز محقق سیرت تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عہد نبوی ﷺ کی جنگیں تاریخ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی تگنی اور بعض وقت دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا، اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (city state) کا جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ ﷺ کے زیر اقتدار آچکا تھا۔ اس تقریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں جس میں یقیناً ملیوں کی آبادی تھی، دشمن کے بہ مشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔

انسانی خون کی یہ عزت تاریخ عالم میں بلا خوف تردید بے نظیر ہے۔

پھر ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام، مفتوحوں کی ذہنیت کی کایا پلٹ اور ان کا مکمل طور سے اپنا لیا جانا اور ایسے افسروں کی تربیت کر جانا کہ آپ ﷺ کی وفات کے پندرہ سال بعد تین براعظموں (ایشیا، افریقہ اور یورپ) پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینے کی حکومت کا قائم ہو جانا، یہ تمام اور دیگر امور ہمیں عہد نبوی کی جنگوں کا مطالعہ کرنے کا غیر معمولی طور سے شائق بنا دیتے ہیں"۔(۲۸)

یہ تھی عہد رسالت کی جنگوں کی ایک تصویر جس کو یقینی طور پر جنگ برائے امن وانسانیت کی ایک بے نظیر داستان کہا جا سکتا ہے۔ یہ داستان پڑھنے کے بعد آج کی جدید ترقی یافتہ مہذب دنیا کے خون خوار چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں انسانیت کی زبوں حالی کی حقیقی وجہ کیا ہے؟

انسانی ہمدردی کا ایک بے نظیر واقعہ: مکہ مکرمہ جہاں آپ ﷺ نے آنکھیں کھولی تھیں اور زندگی کے ابتدائی چالیس سال تک اہل مکہ کی آنکھوں کا تارا بنے رہے، اہل وطن سے صادق و امین کے خطاب سے مالا مال ہوئے، مگر جب آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا شروع کی تو سرداران مکہ یکایک آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور آپ کے پیروکاروں پر وہ ظلم ڈھائے کہ جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً ان سب لوگوں کو اپنے ہی گھر بار، مال و اسباب، عزیز و اقارب چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپ ﷺ نے اپنے وطن مکہ کو الوداع کہتے ہوئے بڑی حسرت سے فرمایا:

واللہ انک لخیر ارض اللہ	اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی ساری زمین میں بہتر
واحب ارض اللہ الی اللہ	اور اللہ کے نزدیک پوری زمین میں سب سے
ولولا انی اخرجت منک ما	زیادہ محبوب ہے، اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا
خرجت (۲۹)	جاتا تو ہر گز نہ جاتا۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ لمکۃ ما اطیبک	رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو کتنا اچھا شہر ہے

من بلد و احبك الىّ ولو لا ان قومي اخرجوني منك ما سكنت غيرك(۳۰)　　اور مجھے کتنا عزیز ہے اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو میں کبھی تیرے علاوہ کہیں اور نہ رہتا۔

مگر دس سال بعد جب آپ ﷺ نے اسی شہر مکہ میں فاتحانہ قدم رکھا تو ان اہل مکہ کے ساتھ درگزر اور رواداری کا جو سلوک فرمایا، انسانی تاریخ میں اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ فتح مکہ کے بعد تمام مفتوحین مجبور حالت میں ہاتھ باندھے، سزا پانے کے لیے کھڑے تھے۔ ان مجرموں میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے غزوہ احد کے موقع پر اپنے سنگ دل ساتھیوں کے ساتھ شہدائے کرام کے جسموں کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، یہاں تک کہ ہند نے ان کے کٹے ہوئے اجزاء اور بازوؤں کا ہار بنایا اور حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور چباڈالا اور اپنے لشکر کی فتح اور صحابہ کرامؓ کی شہادت کی خوشی میں ایک بلند چوٹی پر چڑھ کر بلند آواز میں اشعار پڑھے۔(۳۱)

اب یہ تمام مجرمین منتظر تھے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور کس طرح بدلہ لیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہوکر پوچھا: یا معشر قریش، ویا اهل مكة ما ترون انی فاعل بکم(۳۲) (اے قریش، اے اہل مکہ، جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟)

انہوں نے کہا: "خير اخ كريم وابن اخ كريم "۔(۳۳) (اچھا سلوک کریں گے کیونکہ) آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: " اذهبوا فانتم الطلقاء "(۳۴) "اچھا جاؤ، تم سب آزاد ہو"۔

آج اکیسویں صدی کی غالب تہذیب کو اپنی نام نہاد انسانی آزادیوں، بنیادی انسانی حقوق وغیرہ پر فخر ہے، مگر ایک فاتح قوم کی صورت میں مفتوحین کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک روا رکھتی ہے اور جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کو اگر رسول رحمت ﷺ کے سلوک کے تناظر میں دیکھا جائے تو انسانیت شرما جاتی ہے۔

یہ آپ ﷺ کی امن عالم قائم کرنے کی کوششوں اور انسانیت کے ساتھ محبت کا عملی ثبوت ہی تھا جس کی بنا پر دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ ﷺ کا نام بلند نہ ہو رہا ہو۔

اللّٰهم صلى على محمد وعلى ال محمد ۔

حوالہ جات

(۱) العلق: ۱تا ۵۔ (۲) بخاری، باب کتاب بدء الوحی، کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ﷺ، حدیث ۳۔ (۳) ابن ہشام، سیرت کامل باب ۲۴۔ (۴) ایضاً۔ (۵) ابن اسحاق، سیرت النبی کامل، مرتبہ ابن ہشام، ج ۱، باب ۳۶۔ (۶) الروم ۲۱: ۴۱۔ (۷) ایضاً: ۲۲۔ (۸) آل عمران ۳: ۱۰۳۔ (۹) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، الجزء الثانی، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۵ء، ص ۸۱-۸۰۔ (۱۰) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ۔ (۱۱) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ ومبالغة فی تحذیرهم، ما یضرهم حدیث ۵۹۵۵۔ (۱۲) ایضاً، حدیث ۵۹۵۷۔ (۱۳) ایضاً، حدیث ۵۹۵۸۔ (۱۴) الانبیاء ۲۱: ۱۰۷۔ (۱۵) مسلم، باب من قاتل للریا والسمعه استحق النار، حدیث ۴۹۲۳۔ (۱۶) مسلم، کتاب البر و الصلة و الادب، باب فضل عیاسة المریض حدیث ۶۵۵۶۔ (۱۷) احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، جزء اول، لبنان، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الثالثۃ ۱۹۹۹ء، ص ۱۱۷۔ (۱۸) الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، الجزء الثانی، بیروت، موسستہ العلمی للمطبوعات ۱۸۷۹ء، ص ۳۳۷۔ (۱۹) ولیم ایل لینگر An Encyclopedia of World History اردو ترجمہ وتہذیب، غلام رسول مہر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، تاریخ عمومی، ج ۳، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت سوم، ۱۹۸۵ء، ص ۳۱۳-۳۱۴۔ (۲۰) قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، ج ۲، لاہور، الفیصل، ناشران وتاجران کتب، مئی ۱۹۹۱ء، ص ۳۱۲۔ (۲۱) محمد اقبال، علامہ، مارچ ۱۹۰۷ء، بانگ درا، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۱۴۱۔ (۲۲) ایضاً، طلوع اسلام، ایضاً، ص ۲۷۴۔ (۲۳) ولیم لینگر، ایضاً، ص ۵۱۹۔ (۲۴) سورہ بنی اسرائیل: ۷۰۔ (۲۵) مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب مالقی النبی من المشرکین والمنافقین، حدیث ۴۶۵۳۔ (۲۶) المائدہ: ۱۱۔ (۲۷) سورۃ الفتح: ۲۴۔ (۲۸) محمد حمید اللہ، پروفیسر ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدان جنگ، راول پنڈی، علمی مرکز، الہدیٰ پبلی کیشنز، طبع اول، اگست ۱۹۹۸ء، ص ۱۹-۲۰۔ (۲۹) جامع الترمذی، ابو اب المناقب، باب فی فضل مکہ، حدیث ۳۶۵۸۔ (۳۰) ایضاً، حدیث ۳۶۸۶۔ (۳۱) ابن ہشام، سیرت النبی کامل، ج ۲، باب ۱۱۲۔ (۳۲) طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، الجزء الثانی، بیروت، موسستہ العلمی للمطبوعات ۱۸۷۹ء، ص ۳۳۷۔ (۳۳) ایضاً۔ (۳۴) ایضاً۔

ادب عربی کی ایک عظیم شاعرہ حضرت خنساءؓ

جناب عبدالملک القاسمی

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے گرد و پیش بکھرے ہوئے ماحول اور سماج کا انسانی زندگی پر دوررس اثر مرتب ہوتا ہے اور انسان اس ماحول سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کسی اہم شخصیت کی ذاتی زندگی کو موضوع بنانے سے قبل اس خطہ کے سماجی و سیاسی و تمدنی ماحول و معاشرہ کے حسن و قبح پر ایک نظر ڈال لی جائے تا کہ اس ہستی کے فکری نشو و نما اور اس کے ذہنی ارتقاء کے تعین میں آسانی ہو۔ زیر نظر مقالہ میں ایسی ہی ایک ہستی حضرت خنساءؓ کے شاعرانہ اوصاف و کمالات کا تجزیہ و تعارف مقصود ہے۔

سماجی اور خاندانی پس منظر: عہد جاہلی کی انسانی زندگی مختلف حیثیت اور شناخت والے قبائل میں منقسم تھی اور قبیلہ تین قسم کے لوگوں پر مشتمل ہوتا تھا، آزاد، موالی اور غلام۔ قبیلہ کے یہ تینوں عناصر اس کے جملہ معاشرتی قوانین اور رسم و رواج کے پابند ہوتے تھے۔ خواتین میں شریف زادیاں اور باندیاں ہوتی تھیں۔ عیش و طرب اور رقص و سرود کی محفلوں میں رئیس زادوں کو لبھانے کے لیے گانا بعض باندیوں کا محبوب پیشہ تھا اور بعض پاک طینت اپنے آقاؤں کی خدمت ہی میں روز و شب گذارتی تھیں۔ البتہ آزاد خواتین میں کچھ تو امور خانہ کو خود ہی انجام دیتی تھیں اور اکثر کام کاج کے لیے باندیاں رکھتی تھیں۔ قبیلہ کی شہزادیوں اور شریف زادیوں کو قدر و منزلت حاصل تھی، ان کی رضا و خوشنودی کا کافی خیال رکھا جاتا تھا۔ شادی بیاہ میں انھیں اختیارات بھی ملتے تھے اور رایوں اور نظریات کو ان پر مسلط نہیں کیا جاتا تھا۔ (۱)

حضرت خنساء کا عرب کے دو مشہور ترین قبیلے "ربیعہ و مضر" میں قبیلہ مضر کے خانوادہ بنو سلیم

ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، دہلی یونیورسٹی، دہلی۔

سے تعلق تھا۔ یہ قبیلہ دیگر قبائل کے مقابل کافی قدر و منزلت کا حامل تصور کیا جاتا تھا۔ تمام عرب پر اسی قبیلہ کی حکمرانی تھی۔ قبیلہ "قریش" اسی قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ مضری قبائل سارے عرب میں مختلف مقامات پر سکونت اختیار کیے ہوئے تھے، جس میں حضرت خنساء کا قبیلہ شہروں سے ذرا فاصلے پر بادیہ میں آباد تھا۔ حضرت خنساء کے والد رئیس قبیلہ تھے اور سارا قبیلہ ان کا مطیع و فرماں بردار تھا۔ قبیلہ مضر کی زباں دانی اور لسانی مہارت کے لیے یہی کافی ہے کہ عربی زبان و ادب کو "زبان مضر" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔(۲)

ولادت: حضرت خنساء کا نام نامی تماضر بنت عمرو الشرید ہے، پورا سلسلہ نسب یوں ہے:

تماضر بنت عمرو بن الحارث بن الشريد بن رباح بن يقظه بن عصيه بن خفاف بن امرء القيس بن بهثه الي عيلان بن مضر (۳)۔ قدر و منزلت اور صاحب شہرت و عظمت قبیلہ مضر میں حضرت خنساء نے آنکھیں کھولیں۔ اس زمانہ میں تاریخ ولادت وغیرہ محفوظ رکھنے کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے ماضی کے جملہ سوانح نگار کسی متعینہ تاریخ تک نہیں پہنچ سکے، تاہم مستشرق جبریلی نے ۵۷۵ء میں ولادت کا ذکر کیا ہے۔(۴) ان کی ناک اور لبوں کے مابین فوق الفطرت فاصلہ (جسے عربی میں "خنس" کہتے ہیں) کی وجہ سے لوگ آپ کو جنگلی ہرنی سے تشبیہ دیتے تھے اور خنساء کہہ کر بلاتے تھے۔ رفتہ رفتہ لقب نے شناخت اور تعارف کی جگہ لے لی اور حقیقی نام اس شہرت میں گم ہوگیا۔

خانوادہ عمرو الشرید میں حضرت خنساء کے علاوہ دو لڑکے بھی تھے، ایک "معاویہ" یہ حضرت خنساء کے حقیقی بھائی تھے جب کہ "صخر" دوسری ماں سے تھے۔ دونوں بھائی دراز قد، کشادہ سینہ، متناسب الاعضاء ساخت والے نہایت خوب رو اور وجیہ صورت نوجوان تھے، شجاعت و جواں مردی اور خوش خلقی و انسانیت نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی ستودہ صفات کی بنا پر سارا قبیلہ ان پر بجا طور پر فخر کرتا تھا، حتی کہ ان کے والد انہیں "عکاظ" "ذوالمجنہ" کے میلوں میں بطور فخر لے جایا کرتے تھے اور رئیس مضر کی حیثیت سے جہاں دیگر صفات باعث قدر و منزلت تھیں وہیں وہ عرب کے دو بے نظیر جوانوں کے باپ ہونے پر بھی فخر کرتے تھے۔(۶) حضرت خنساء بھی اپنے دونوں بھائیوں سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ ان کی جسمانی ساخت، بلند اخلاقی اور ناقابل تسخیر

جواں مردی کے باعث پدر و دختر کی آرزوں کے مرکز تھے وہ قبیلہ کی شان وشوکت، عزت ووقار اور قابل رشک ناموری کے باعث ہوں گے۔

حضرت خنساء نے انہیں دونوں بھائیوں کے ساتھ اور رئیس قبیلہ کی زیر سرپرستی خانوادہ کے خوش اطوار ماحول میں تربیت حاصل کی، بھائیوں کی شرافت طبع اور بلند ہمتی نے ان کی ذات پر بھی اثر ڈالا اور وہ بھی عزم وحوصلہ، اصابت رائے اور قوت فیصلہ میں بے مثل ہوگئیں اور جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کی عادات واطوار کی صیقل گری ہوتی گئی حتی کہ جب حضرت خنساء نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو خداداد حسن اور رئیسانہ معاشرت کی تربیت کے باعث ان کا شمار عرب کی زیرک، مدبر اور نہایت سوجھ بوجھ رکھنے والی خواتین میں ہونے لگا۔

شادی: حضرت خنساء کا شعور پختہ ہوا تو ان کی بلند فکری، تدبر اور تفنن طبع کی شہرت کا دائرہ بھی وسیع ہوا۔ ان کے شاعرانہ مزاج میں بھی پختگی آئی، اسی دوران ایک روز ان کے بھائی معاویہ کے دوست اور بنو ہوازن کے سردار اور عرب کے مشہور شاعر درید بن الصمہ کی حضرت خنساء پر نظر پڑی تو دستور کے مطابق شادی کے لیے پیغام بھجوایا اور بھائی معاویہ سے بھی سفارش کرائی لیکن جب حضرت خنساء کی مرضی دریافت کی گئی تو انہوں نے غیر قبیلہ میں شادی سے انکار کردیا اور اپنے ہی قبیلہ کے رواحہ بن عبدالعزیز السلمی نامی نوجوان سے شادی کرلی۔ ابھی ایک ہی بیٹا ''عبداللہ'' ہوا تھا کہ شوہر نامدار داغ مفارقت دے گئے۔ بعد میں دوسری شادی عبدالعزی نامی شخص سے ہوئی۔(۷)

فاقہ کشی اور صخر: حضرت خنساء کا دوسرا شوہر اسراف اور فضول خرچی میں مشہور تھا۔ رندی وقہوہ نوشی کو مقصد حیات تصور کرتا تھا، چنانچہ چند ہی روز میں ساری ثروت ہباء منثورا ہوگئی اور نوبت فاقہ کشی تک جاپہنچی، گھر تو مجبوراً حضرت خنساءؓ اپنے عزیز بھائی صخر کے پاس پہنچیں اور فاقہ کشی کی دکھ بھری کہانی سنائی، بھائی نے اپنا سارا مال وزر دو حصوں میں تقسیم کرکے کسی ایک کا اختیار دے دیا۔ حضرت خنساء بھائی کے اس عطیہ سے عائلی ضرورتوں کو پورا کرنے لگیں، شب و روز گزرتے گئے اور ایک بار پھر سب کچھ ختم ہوگیا اور شوہر کی کسلمندی اور بیجا اسراف کی بدولت دوبارہ فاقہ کی نوبت آن پہنچی۔ حضرت خنساء نے کچھ تامل کیا لیکن کچھ اور چارہ ہی نہ تھا، پھر اپنے

بھائی کا سہارا تلاش کیا اور حالات زار سنائے، بھائی نے پھر اپنی جائداد کو دو حصوں میں منقسم کیا اور آدھا بہن کو ہدیہ کر دیا۔ وقت گزرتا گیا لیکن شوہر کی حالت میں کچھ تغیر نہ آیا، نہ عقل جاگی اور نہ قوت حس، ایک بار پھر فاقے شروع ہو گئے۔ حضرت خنساء نے پھر بھائی کی پناہ لی، اس بار بھائی کی اہلیہ کو کچھ ناگواری ہوئی، شوہر کو ایک گوشہ میں لے جا کر کہا کہ کچھ فائدہ نہیں ہو گا اس کا شوہر پھر یوں ہی فضول خرچی کی نذر کر دے گا، یوں ہی کچھ دے دیجیے لیکن بھائی کی غیرت نے گوارا نہیں کیا اور کہا کہ یہ خنساء ہے، شاہی اطوار سے اس کی پرورش ہوئی ہے اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ میں اس کو کچھ دے کر یوں ہی رخصت کر دوں۔ (۸)

حضرت خنساء کے لیے اس دوسرے لاابالی، فضول خرچ شوہر کا ساتھ بھی کچھ زیادہ دیرپا نہیں رہا۔ دوسرے شوہر کے انتقال کے بعد حضرت خنساء نے اپنے ہی خانوادہ کے مرداس السلمی نامی شخص سے شادی کی، ان سے چار بیٹے (یزید، معاویہ، عمرو اور عمرہ) پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر چاروں نہایت بہادر اور جواں مرد ثابت ہوئے۔ (۹)

معاویہ و صخر کا انتقال: جنگ و جدال کے خوگر عربوں میں آئے دن باہمی فساد اور قتال ہوتا رہتا تھا اور اپنے کو چست و درست رکھنے کے لیے اس وقت کی بہترین ورزش یہی قبائلی جنگ ہوتی تھی۔ ایسے ہی قبیلہ "بنو سلیم اور غطفان" کے مابین ۶۱۲ء میں ہونے والے ایک حادثہ میں جسے تاریخ میں "یوم حورۃ اولی" کے نام سے جانا جاتا ہے، حضرت خنساء کے حقیقی بھائی معاویہ اپنے مقابل ہاشم بن حرملہ سے زور آزمائی کرتے ہوئے جاں بحق ہو گئے۔ معاویہ کا انتقال حضرت خنساء کے لیے کسی روح فرسا سانحہ سے کم نہ تھا، وہ ایک محبت کرنے والے بھائی سے محروم ہو گئی تھیں، ان کی زندگی بے مزہ ہو گئی تھی اور طرز حیات یکسر تبدیل ہو گیا، قریب تھا کہ وہ خود اس کارگاہ ہستی کو خیرباد کہتیں لیکن ان کے دوسرے بھائی صخر نے ان کی ہمت بندھائی اور خون کے بدلے خون لینے کا وعدہ کر کے ان کے غم کو کچھ غلط کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر وقت کی گردش اور صخر جیسے فولادی سہارے نے حضرت خنساء کو کچھ امیدیں بندھائیں۔ "یوم حورۃ" کے تین سال بعد غیظ و غضب کی بھٹی ایک بار پھر سلگنے لگی، دیکھتے ہی دیکھتے "یوم کلاب" کا معرکہ کارزار برپا ہو گیا، اس بار صخر نے اپنی قوت بازو استعمال کرتے ہوئے فریق مخالف کے چار بہادر نوجوانوں کو

قتل کر کے اپنے بھائی معاویہ کا انتقام لیا اور اپنی بہن حضرت خنساء کے قلب کو سکون پہنچایا لیکن بشومیٔ قسمت کہ معرکہ کارزار میں خود بھی کافی زخمی ہو گیا۔ قتل وقتال تھا اور جنگ کی آگ بجھی، صخر کا علاج شروع ہوا، بہن خنساء نے کافی نگہداشت کی لیکن چند ماہ بعد صخر بھی بہن خنساء کو تنہا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (۱۰)

بھائی صخر کی موت کے بعد حضرت خنساء اب اس وسیع وعریض دنیا میں بظاہر اکیلی وتنہا رہ گئی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت خنساء نے اپنی سابقہ زندگی میں بھی کچھ کم مصائب وآلام کا سامنا نہیں کیا، لیکن جو غم اور رنج انہیں صخر جیسے بھائی کی فرقت سے ہوا اس کے سامنے دیگر حوادث ہیچ تھے۔ کیونکہ حضرت خنساء کو معاویہ کی بہ نسبت صخر سے کئی گنا زیادہ محبت تھی اور دوستی و بے تکلفی بھی تھی۔ چنانچہ درید بن الصمہ سے شادی کے مسئلے میں جہاں بڑے بھائی معاویہ نے اپنے دوست کی بہی خواہی کی تھی وہیں صخر نے حضرت خنساء کی پشت پناہی کر کے انہیں خلاف مرضی شادی سے خلاصی دلائی۔ پھر حقیقی بھائی معاویہ کا بدلہ لے کر صخر نے حضرت خنساء کے دل کے لیے سکون وراحت کا سامان ہی مہیا نہیں بلکہ اپنے قبیلے اور خانوادہ کا بھی رتبہ بلند کیا تھا۔ حضرت خنساء کی ازدواجی زندگی میں پیش آمدہ مشکلات کے لیے صخر کا وجود درد کا درماں اور کلفت کا مداوا ثابت ہوتا تھا قبل ازیں وہ جب بھی کسی مشکل کا شکار ہوئیں صخر نے آگے بڑھ کر ان کو سہارا دیا اور ہمت بندھائی۔ حضرت خنساء ایک جگہ صخر کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ صخر اگر میری یہ آنکھ تیرے لیے اشک فشانی کر رہی ہے تو کوئی بات نہیں، تو نے ایک طویل مدت تک مجھے ہنسایا بھی تو ہے، جب تم باحیات تھے تو میں تمہارے سہارے ہر مشکل پر قابو پا لیتی تھی اور اب تمہارے بغیر مصیبتوں کا سامنا کیسے کیا جائے۔

الا یا صخر ان ابکیت عینی	فقد اضحکتنی دھرا طویلا
دفعت بك الخطوب وانت حیی	فمن ذا یدفع الخطب الجلیلا (۱۱)

حضرت خنساء کو صخر کے انتقال سے جو دکھ پہنچا اس نے ان کے دل سے جینے کی ہر خواہش اور مزہ ہی چھین لیا اور ان کا وجود مجسم رنج یا تصویر غم کے سوا کچھ نہیں رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ عمر کے آخری مرحلے میں "صدار" اوڑھے ہوئے لکڑی کے سہارے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی

زیارت کو آئیں، حضرت عائشہؓ دیکھ کر متحیر ہوئیں اور بہ تعجب سوال کیا کہ تم خنساء ہو! تو جواب دیا ہاں اماں میں خنساء ہی ہوں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ تم صدار پہنتی ہو؟ یہ تو اسلام میں منع ہے۔ حضرت خنساء نے کہا اماں مجھے معلوم نہ تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ تمہاری یہ حالت کیسے ہوگئی، حضرت خنساء نے جواب دیا کہ میرے بھائی صخر کے انتقال کی وجہ سے، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اچھا اس نے تمہارے ساتھ اتنے احسان کیے ہیں کہ اس کی فرقت نے تمہاری دنیا بدل ڈالی، اچھا بتاؤ، وہ کیسا تھا، حضرت خنساء نے اس کی خوبیاں گناتے ہوئے کہا کہ ایک مرتبہ میری مدد میں اس کی بیوی نے رخنہ اندازی کی اور کچھ معمولی چیز دے کر بہلانے کی کوشش کی تو اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ خنساء ایک شریف زادی ہے میں اس کی بے عزتی برداشت نہیں کرسکتا اور معلوم ہے! اگر میں مرگیا تو وہ میرے غم میں اپنی اوڑھنی پھاڑ کر اون کی کملی گلے میں ڈال کر میرا سوگ منائے گی۔ چنانچہ میں نہیں چاہتی کہ اپنے تئیں اس کے گمان کو غلط کروں۔

والله لا امنحها شرارها وهي التي ارحض عني عارها
ولو هلكت مزقت خمارها وجعلت من شعر صدارها (۱۲)

قبول اسلام: جب اسلام آیا تو حضرت خنساء اپنی قوم کے ساتھ حضور اقدسؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور بے چوں وچرا اسلام قبول کرلیا۔ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت خنساءؓ کو شعر گوئی میں ملکہ حاصل ہے، کچھ شعر سنانے کے لیے کہا حضرت خنساءؓ نے حکم کی تعمیل کی، آپؐ نے پسندیدگی ظاہر فرمائی اور داد دیتے ہوئے ''هيه يا خناس'' کہہ کر مزید کی خواہش کی، حضرت خنساء نے مزید عمدہ اشعار آپ کو سنائے۔ اس کے بعد حضرت خنساء نے جوں ہی حضورؐ پرنور کے دست مبارک پر بیعت کی ان کے قلب کی صفائی ہوگئی اور زندگی کا رخ یکسر بدل گیا، لیکن گریہ وزاری میں کوئی فرق نہیں آیا، سب کچھ بدل جانے کے باوجود بھی باران اشک نے تھمنے کا نام نہیں لیا۔ مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے بھائیوں کی فرقت ان کے وجود کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی اور قبول اسلام کے بعد اپنے بھائیوں کے حشر اور سزائے الٰہی کے تصور سے ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنی جائے بود وباش ''بادیہ'' سے نکل کر مدینہ منورہ آئیں تو امیر المومنین حضرت عمرؓ نے نحیف ولاغر خنساءؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں کے غم میں اتنا کیوں ہلکان

ہو رہی ہو؟ تم ان کے لیے اب بھی آہ وزاری کرتی ہو اب تو وہ دوزخ میں ہیں، حضرت خنساءؓ نے برجستہ کہا کہ اب یہی چیز تو مجھے رلاتی رہتی ہے، پہلے میں ان کے خون کے لیے روتی تھی اور اب ان کے حشر کو سوچ کر روتی ہوں۔(۱۳)

جنگ قادسیہ اور بیٹوں کی شہادت: جنگ قادسیہ کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں لشکر اسلامی کی تشکیل ہو رہی تھی تو حضرت خنساءؓ کے دل میں بھی خیال آیا کہ ان کے بیٹوں کی بہادری کس کام آئے گی۔ انہوں نے چاروں کو بلا کر جہاد کی دعوت دی اور فرمایا دیکھو بیٹو! تم ایک شریف النسب باپ کی اولاد اور عالی حسب ماں کے بچے ہو، انسان کی اخروی زندگی دنیا کے بہ نسبت بدرجہا بہتر ہے۔ جب جنگ چھڑ جائے اور نیزہ بازی شروع ہو جائے تو تم بھی معرکہ کارزار میں کود پڑنا۔ پیٹھ مت دکھانا، صبر و ہمت اور استقلال سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا، تا آنکہ فتح و نصرت تمہاری قدم بوسی کرلے۔ چاروں اطاعت شعار بیٹوں نے اسلام اور ماں کی آواز پر لبیک کہا اور ماں کے الوداعی کلمات کو رجزیہ انداز میں پڑھتے ہوئے لشکر اسلامی میں شامل ہو گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے زیر قیادت جہاد میں شریک ہوئے ور بڑی بے جگری سے لڑے، فتح تو نصیب ہوئی لیکن چاروں نے جام شہادت نوش کیا اور حضرت خنساءؓ کو جب ایک ساتھ چاروں بیٹوں کی شہادت کی اطلاع ملی تو ان کی زبان سے بجز ''الحمد للہ الذی شرفنی بقتلھم'' جیسے حمدیہ جملے کے کچھ نہ نکلا۔(۱۴)

وفات: امرؤالقیس نے کہا ہے کہ غم انگیز راتوں میں ستاروں کی گردش بھی سست ہو جاتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ انہیں کسی مضبوط چٹان سے باندھ دیا گیا ہو۔ حضرت خنساءؓ کی پرالم زندگی بھی امرءالقیس کے اسی خیال کی مصداق معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت ۲۴ھ میں وطن ''بادیہ'' میں وفات پائی۔ وفات کے وقت ۸۰ برس کی تھیں۔ پس ماندگان میں ایک دیوان کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔(۱۵)

شاعری کے عناصر: زبان وادب کے اعتبار سے قبیلہ مضر کی اہمیت وحیثیت اور ان کے تہذیبی وثقافتی معیار کی بلندی سارے عرب میں مسلم تھی۔ حضرت خنساءؓ اسی قبیلہ مضر کے عظیم خانوادے کی پروردہ صاحب ذوق خاتون تھیں۔ شعروشاعری کے ماحول میں پرورش ہونے

کی وجہ سے حضرت خنساءؓ بھی شعری رموز ونکات سے واقف ہوگئی تھیں۔ لفظی لطافت، بلند خیالی اور جذبات کی شدت کے ساتھ وہ شعری قواعد سے اچھی طرح آشنا تھیں، دوسری طرف درد و کرب، باپ، شوہر اور بھائیوں اور بیٹوں کے پے در پے صدمات ہجر وفراق اور دل اور آنکھوں کے مسلسل سوز وتپش نے ان کے وجود میں حزنیہ شاعری کا وافر مادہ ودیعت کردیا، واقعہ ہے کہ درد کی اسی سوغات نے عربی کی حزنیہ شاعری کو مالا مال کردیا۔

حضرت خنساءؓ کی شاعری: حضرت خنساءؓ کی شاعری معاویہ وصخر جیسے بھائیوں کی وفات اوران کی فرقت سے ہونے والے غم واندوہ سے عبارت ہے۔

حضرت خنساءؓ کی شاعری سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی ابتدائی فخریہ شاعری قبیلے کی سماجی وثقافتی اور سیاسی حیثیت کے باوجود اتنی دقیع اور پر اثر نہیں ہے جتنی ان کی اشکوں سے دھلی شاعری ہے، اس میں لفظوں کی تاثیر دوبالا ہے۔ ان کی شعری زندگی کے ادوار کا ژرف نگاہی سے مطالعہ کیا جائے تو ان کی شاعری کے یہ مراحل بہ آسانی سمجھے جاسکتے ہیں۔ ان کی مرثیہ گوئی فخریہ شاعری کے بہ نسبت زیادہ اہم اور لائق توجہ ہے۔ اپنے بھائی صخر کے غم کو جس انداز سے انہوں نے شعروں میں سمویا ہے وہ انداز غم معاویہ میں نہیں ملتا ہے۔ ان کا فنی کمال اور شاعرانہ عروج ان کی مرثیہ گوئی میں ہے۔ جس میں انہوں نے اظہار غم کے لیے مرثیہ گوئی کی صنف کو لازوال کردیا۔

فخریہ شاعری: یقیناً حضرت خنساءؓ کی شاعری کا محور و مرکز اور معراج مرثیہ گوئی ہے، لیکن خاندانی شرافت اور قبائلی عظمت کی وجہ سے انہوں نے عصری مجلس مفاخرت میں شرکت کی اور اپنے قبیلے کی نمائندگی کرتے ہوئے فخریہ ترانے بھی گائے ہیں۔ اپنے خانوادے اور خصوصاً اپنے بھائیوں ''معاویہ وصخر'' کی خوش خلقی، شجاعت اور سخاوت اور مہمان نوازی کے قصیدے بھی پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ زمانہ سے شکوہ کرتے ہوئے اپنے بھائی معاویہ کی مدح میں رطب اللسان ہیں:

تعرقنی الدھر نھسا و حزا ۔ و اوجعنی الدھر قرعا و غمزا

وافنی رجالی فبادوا معا ۔ فغودر قلبی بھم مستفزا

کان لم یکونوا حمی یتقی ۔ اذا الناس اذ ذاک من عز بزا

وكانوا سراة بنى مالك	وزين العشيرة بذلا وعزا
وهم فى القديم اساة العديم	والكائنون من الخوف حرزا (۱۶)

مرثیہ گوئی: مرثیہ گوئی میں ان کا مقام و مرتبہ مسلم ہے، پے درپے ہونے والے حوادث نے ان کے دل و دماغ کو رنج و غم اور یاس و قنوطیت کے جذبات سے لبریز کر دیا تھا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جذبات کا جوش ہمیشہ درد و غم میں زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اور وہی مرثیہ کا موقع و محل ہوتا ہے۔ اب جس کو جانے والوں سے جتنی زیادہ محبت اور انسیت ہوگی، غم بھی اسی درجہ شدت کا ہوگا۔ یہی حال حضرت خنساءؓ کا بھی تھا، وہ ایک سریع الانفعال خاتون تھیں جو ایک بے لوث محبت کرنے والا درد آشنا دل رکھتی تھیں۔ انہیں اپنے دونوں بھائیوں سے بے حد محبت تھی، ان کے انتقال کے بعد ان کی جذباتی وابستگی بھی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ چنانچہ ایک جگہ اپنے بھائی معاویہ کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ کیا ہوا میری آنکھیں معاویہ کو نہیں دیکھ پا رہی ہیں:

الا لا ارى فى الناس معاوية	اذا طرقت احدى الليالى بداهية
بداهية يصغى الكلاب حسيسها	وتخرج من سر النجى علانية
الا لا ارى كالفارس الورد فارسا	اذا ما علته جرأة و علانية
وكان لزاز الحرب عند شبوبها	اذا شمرت عن ساقها وهى ذاكية
وقواد خيل نحو اخرى كانها	سعال و عقبان عليها زبانية
بلينا وما تبلى تعار وما ترى	على حدث الايام الا كماهية
فاقسمت لا ينفك دمعى و عولتى	عليك بحزن ما دعا الله داعية (۱۷)

دوسرے بھائی صخر کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہی ہیں کہ کیا ایسا نوجوان بھی رونے جانے کے قابل نہیں ہے؟

اعينى جودا ولا تجمدا	الا تبكيان لصخر الندى
الا تبكيان الجرئ الجميل	الا تبكيان الفتى السيدا
طويل النجاد رفيع العماد	ساد عشيرته امردا
اذا القوم مدوا بايديهم	الى المجد مد اليه اليدا

فنال الذی فوق ایدیھم من المجد ثم مضی مصعدا (۱۸)

اسی طرح ان کا وہ مرثیہ جو انہوں نے ''عکاظ'' میں نابغہ ذبیانی کے سامنے پیش کیا تھا اور جس پر نابغہ نے انہیں استادِ سخن ہونے کی سند دی تھی، ان کے تمام مراثی کی روح ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جوں ہی اہل خانہ نے کوچ کیا اچانک تمہاری آنکھوں کو یہ کیا ہو گیا کہ بارانِ اشک تھم ہی نہیں رہا، ان میں کوئی تنکا پڑ گیا ہے یا آنکھیں دکھنے کو آ رہی ہیں، پھر خود ہی کہہ رہی ہیں کہ یہ سب صخر کی یاد ہے جو مجھے اس قدر رلا رہی ہے کہ میرے رخساروں پر سیلاب سا آیا ہوا ہے۔

قذی بعینك ام بالعین عوار ام ذرفت اذ خلت من اھلھا دار (۱۹)

کان دمعی لذکراہ اذ مطرت فیض یسیل علی الخدین مدرار

صخر کی یاد حضرت خنساءؓ سے یوں چمٹی ہوئی ہے کہ الگ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی، جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی شجاعت و جواں مردی کو اور غروب ہوتا ہے تو اس کی ضیافت و مہماں نوازی کو یاد کر کے روتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ کبھی کبھی رنج فراق اور سوز غم اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زندگی میں کوئی ذائقہ ہی نہیں رہا اور روز و شب ایک نہ ختم ہونے والی حقیقت ہے کیوں نہ خودکشی ہی کر لی جائے، لیکن جب ارد گرد دیکھتی ہوں تو بہت سے دوسرے بھی اپنے بھائیوں کے لیے نوحہ خواں ملتے ہیں اس لیے ارادہ بدلنا پڑتا ہے۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ لکل غروب شمس (۲۰)

ولو لا کثرۃ الباکین حولی علی اخوانھم لقتلت نفسی

ویسے تو حضرت خنساءؓ کی مکمل شاعری روح والم کی ایک غم انگیز داستاں ہے انہوں نے دردِ جدائی اور غمِ فراق کو کاغذ پر اتارا تو دیوان مرتب ہو گیا لیکن ان کی اعلیٰ درجہ کی شاعری ان مراثی میں ہے جس کا باعث صخر اور اس کا غم ہے۔ حالانکہ حضرت خنساءؓ نے معاویہ کے مراثی میں خوب صورت الفاظ سے غمگین معانی پیدا کیے ہیں، لیکن ان میں وہ تپش اور سوزش نہیں ہے جو صخر کے مرثیوں میں نظر آتی ہے۔ اور یہ ایک فطری عمل ہے، درد و غم ہمیشہ محبت ہی کے ہم وزن رہتا ہے، جتنی محبت ہوگی اتنا ہی غم ہوگا اور چوں کہ حضرت خنساءؓ معاویہ کی بہ نسبت صخر سے زیادہ محبت کرتی تھیں تو غم بھی فزوں تر ہوگا اور مرثیہ کا سوز بھی۔

شاعری میں ان کا مرتبہ: عربی کے قدیم شعر وادب میں خواتین کی قیادت وسیادت کا تاج زریں حضرت خنساءؓ ہی کے سر کی زینت ہے۔ ان کی معنی آفرینی اور بلاغت نے ان کو دیگر معاصرین سے ممیّز وممتاز کردیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی اپنی تاریخ میں رقم طراز ہیں کہ ''میدان شعر وشاعری کے نقادوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ادب قدیم میں ان سے بڑھ کر کوئی دیگر شاعرہ نہیں ہوئی'' (۲۱) حضرت خنساءؓ کی شاعری ان کے ذاتی تجربات اور اشک انگیز جذبات کی ترجمان ہے جس کے لیے انہوں نے اصناف سخن میں مرثیہ کو منتخب ہی نہیں بلکہ یوں کہیے کہ ایجاد کیا ہے اور اسے کمال کی اس بلندی تک پہنچایا ہے کہ جہاں تک ان کے علاوہ کسی کی رسائی نہ ہوسکی۔ ابن سلام نے لکھا ہے کہ ''حضرت خنساءؓ عربی ادب کی وہ اولین شاعرہ ہیں جنہوں نے مرثیہ گوئی کی بنیاد ڈالی اور فن کو اتنی بلندی بخشی کہ مردوں کو بھی مات کردیا، اور میدان رثاء کی ایک پختہ ضرب المثل بن گئیں'' (۲۲) محمد بن یزید مبرد حضرت خنساءؓ کی شاعری سے متعلق لکھتے ہیں ''خنساءؓ اور لیلی اخیلیہ نے اپنے اشعار میں بڑا بانکپن دکھایا اور مردوں سے بھی اس فن میں بازی لے گئی ہیں'' (۲۳) ڈاکٹر عبدالحلیم لکھتے ہیں کہ ''ابوزید کہا کرتے تھے کہ لیلی کے یہاں بڑا تنوع، گہرائی اور الفاظ میں بڑی جان ہے، مگر مرثیہ میں خنساءؓ کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا'' (۲۴) عہد عباسی کا شاعر بشار بن برد کہا کرتا تھا کہ جب بھی کسی عورت نے شعر کہا تو غلطی ضرور کی۔ کہا گیا کہ خنساءؓ بھی ایسی تھیں؟ تو بولا کہ ''ارے اس نے تو بڑے بڑے شہسواروں کو بھی چت کردیا'' (۲۵) عہد اموی کے نامور ترین شاعر جریر سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا شاعر کون ہے، تو اس سید الشعراء نے جواب دیا کہ ''میں! اگر خنساءؓ نہ ہوتی'' پوچھا گیا کہ وہ آپ سے کس طرح بازی لے گئی؟ جواب دیا کہ اسی نے تو یہ شعر کہا ہے:

ان الزمان وما یفنی له عجب ابقی لنا ذنبا واستوصل الراس (۲۶)

ان الجدیدین فی طول اختلافهما لایفسدان ولکن یفسد الناس

زمانہ بھی عجیب ہے کہ سر کو کاٹ کر دم چھوڑ دیتا ہے، خوب تر اشیاء کو غصب کر کے خسیس محض کو ہمارے لیے رکھ چھوڑتا ہے، بلاشبہ شب و روز اپنی گردش مسلسل کے باوجود خراب نہیں ہوتے بلکہ تعفن تو خود لوگوں میں پیدا ہوجاتا ہے۔

حضرت خنساءؓ کے محاسن شعر اور قدر و قیمت کے لیے فقط یہی کافی ہے کہ عربی زبان و ادب کے معجز بیاں، استاذ الادباء حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے اشعار کو نہایت شوق سے سماعت فرمایا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور درج ذیل واقعہ بھی ان کی شاعرانہ عظمت اور ناقدانہ صلاحیت کی غمازی کرتا ہے۔

نقد اور خنساءؓ: حضرت خنساءؓ ذوق سلیم کی حامل ایک صاحب نظر، دقیق بیں اور نکتہ آفریں نقاد تھیں، ان کا ناقدانہ تبصرہ ان کی سخن سنجی، سخن فہمی کی بہترین مثال تصور کیا جاتا۔ ایک مرتبہ عکاظ کے میلے میں عرب کے مایہ ناز شاعر نابغہ ذبیانی کے روبرو متعدد شعراء اپنے اپنے قصیدے پیش کر رہے تھے، حضرت خنساءؓ نے بھی ایک قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع تھا:

قذی بعینك ام بالعین عوار ام ذرفت اذ خلت من اهلها دار

نابغہ کو یہ قصیدہ اتنا پسند آیا کہ بے ساختہ کہہ اٹھا کہ اگر ابو بصیر اعشٰی نے اپنا قصیدہ نہ سنایا ہوتا تو میرا فیصلہ یہی ہوتا کہ نہ صرف میلے میں بلکہ جملہ شعرا میں سب سے بڑی شاعرہ تم ہی ہو۔ اس موقع پر حضرت حسانؓ بھی موجود تھے، بولے کہ نہیں! میں آپ سے اور اس خنساءؓ سے بھی بڑا شاعر ہوں، نابغہ نے کہا "نہیں بات ایسی تو نہیں ہے اور خنساء تم ہی انہیں سمجھاؤ، حضرت خنساءؓ نے حضرت حسانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اچھا ابھی جو آپ نے اپنا قصیدہ پیش کیا تھا اس کا سب سے اچھا شعر سناؤ! انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ میرا سب سے اچھا شعر یہ ہے عرض کیا:

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحی واسیافنا یقطرن من نجدة دما

حضرت خنساءؓ نے شعر سماعت فرماتے ہی برجستہ کہا کہ آپ نے متعدد جگہ نقص پیدا کر کے اپنے فخر کو کمزور کر دیا ہے، حضرت حسانؓ نے حیرت سے پوچھا تو فرمایا کہ آپ نے لفظ "جفنات" استعمال کیا ہے جو جمع قلت ہے، کیا اچھا ہوتا کہ آپ لفظ "جفان" استعمال کرتے جو کہ دس سے زیادہ کے لیے مستعمل ہے، اسی طرح آپ نے "الغر" استعمال کیا ہے جو پیشانی کی سفیدی کے لیے بولا جاتا ہے، اگر آپ "بیض" استعمال کرتے تو رنگ معانی مزید نکھر جاتا، اسی طرح آپ نے "لمعان" استعمال کیا ہے جو یکے بعد دیگرے ہونے والی غیر مستقل چمک کے لیے مستعمل ہے، اگر آپ دیرپا چمک کے لیے موزوں لفظ "یشرقن" سے مفہوم ادا کرتے تو درمیانی

خلا پُر ہو جاتا اور چمک کے استقلال کی وجہ سے مفہوم کی رونق دوبالا ہو جاتی، اسی طرح آپ "بالضحی" کے بجائے "بالدجی" استعمال کرتے تو معنی میں کمال پیدا ہو جاتا، ایسے ہی آپ نے "اسیاف" استعمال کیا ہے جو کہ دس تلواروں سے کم کے لیے بولا جاتا، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ "سیوف" استعمال کرتے جو اکثریت پر دال ہے۔ اسی طرح آپ نے "یقطرن" استعمال کیا ہے، آپ اس کی جگہ "یسلن" استعمال کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ آپ نے "دما" کا لفظ استعمال کیا ہے، حالانکہ "الدما" زیادہ وسعت کے معنی دیتا ہے۔ حضرت حسانؓ نے جب قصیدہ کے سب سے اچھے شعر کا ایسا تجزیہ دیکھا تو اپنے دعوی پر نادم ہوئے اور الفاظ واپس لے لیے۔ (۲۷)

ہند سے مقابلہ آرائی: حضرت خنساءؓ پے درپے حوادث زمانہ کا شکار ہونے کی وجہ سے خود کو عرب کا سب سے زیادہ مصیبت زدہ انسان تصور کیا کرتی تھیں اور ایام حج میں حرم شریف کے قرب وجوار میں خیمہ زن ہو کر اپنے والد عمرو بن شرید اور بھائی معاویہ اور صخر کے غم میں ماتم و نوحہ کیا کرتی تھیں، دوسری طرف جنگ بدر کے بعد جس میں عتبہ بن شیبہ، ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ جیسے شہسواران عرب مجاہدین اسلام کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ سرخیل عرب عتبہ بن شیبہ کی صاحب زادی ہند نے بھی اپنے انہی اعزہ واقرباء پر نوحہ وگریہ شروع کر رکھا تھا۔ وہ بھی دعوی کیا کرتی تھیں کہ حجاز کی سب سے زیادہ مصیبت زدہ وستم رسیدہ وہی ہیں۔ ایک مرتبہ جب حضرت خنساءؓ حسب عادت جوار حرم میں خیمہ زن ہوئیں جیسے ہی ہند بنت عتبہ کو ان کی آمد کی خبر ہوئی، تیز قدموں سے آئیں اور حضرت خنساءؓ سے کہا کہ سنا ہے کہ تم اپنے دو بھائیوں کی مصیبت کو میرے درد سے فزوں تر سمجھتی ہو، حالانکہ میں نے شجاعت وجواں مردی اور سیادت وقیادت میں عرب کے یکتائے روزگار آباء واجداد کو کھو دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت خنساءؓ برجستہ گویا ہوئیں:

ابکی ابی عمروا بعین غزیرة قلیل اذا نام الخلی هجودها

وصنوی لا انسی معاویة الذی له من سراة الحرتین وفودها

وصخرا ومن ذا مثل صخر اذا غدا بساحته الابطال قزم یقودها

فذلك یا هند الرزیة فاعلمی ونیران حرب حین شب وقودها

ہند بن عتبہ نے جواب دینے کی کوشش کی۔(۲۷)

ابکی عمید الابطحین کلیھما وحامیھما من کل باغ یریدھا

ابی عتبة الخیرات ویحك فاعلمی وشیبة والحامی الذمار ولیدھا

اولئك آل المجد من آل غالب وفی العزمنھا حین ینمی عدیدھا (۲۹)

اسلوب: حضرت خنساءؓ نے اپنے ذاتی احساسات اور جذبات کو شاعری کا لبادہ پہنایا ہے اور کبھی بھاری بھرکم اور مشکل الفاظ میں اپنے درد کو بیان کرتی ہیں اور کہیں لفظی سہولت اور لطافت کے ساتھ داستان غم چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ کر سناتی ہیں۔ذیل میں ان کے شاعرانہ اسلوب و انداز پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی تاکہ ان کے خصائص و امتیازات واضح ہوکر سامنے آئیں۔

فصاحت و بلاغت: زبان و بیان پر قدرت اور لفظوں پر مکمل گرفت کی وجہ سے حضرت خنساءؓ نے اظہار معانی کے لیے ہمیشہ مناسب اور موزوں ترین الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ان کے کلام کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کے ذہن و دماغ میں الفاظ صف بستہ کھڑے ہوکر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں۔وہ اپنی تمام تر ذہنی قوت الفاظ کی بندش اور موزونیت پر صرف کرتی ہیں نہ کہ عمدہ الفاظ کی تلاش و جستجو میں۔ان کی ساری کوششیں اظہار معانی کی سہولت اور عمدگی پر مبنی ہوتی ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے کسی بھی مرحلہ میں لفظی زیبائش کے لیے معانی کی قربانی نہیں دی ہے، ان کا فکروفن معانی کے خون سے لفظوں کی حنابندی کا قائل نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ لفظی نکتہ آفرینی ان کی شاعری میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے، سلاست، روانی اور بندش میں چستی کے ساتھ بے تکلفی اور برجستگی ان کی شاعری کا لازمی خاصہ ہے۔نازک تشبیہات، سوالیہ انداز، جابجا غم انگیز اشارے، استعارے اور کنائے کے ساتھ مرثیہ کا الم ناک طرز اور دل گداز انداز ان کی شاعری کے امتیازی اوصاف ہیں۔

موسیقیت: حضرت خنساءؓ نے اپنی شاعری اور خصوصاً مابعد صخر شاعری میں نغمگی اور موسیقیت کا کافی خیال رکھا ہے، انھوں نے ہلکے پھلکے خوب صورت اور چیدہ الفاظ کو فنی مہارت اور چستگی کے ساتھ چھوٹی بحروں میں کچھ اس طرح سے پرودیا ہے کہ وہ سراپا ایک دھن بن گئی ہے۔ ان کے منتخب الفاظ کے نشیب و فراز اور آواز کے زیروبم کی ترکیب قاری اور سامع پر وجد کی ایک

ایسی کیفیت پیدا کردیتی ہے کہ وہ "ساقی تو پلا اور ذرا اور ابھی اور" کی صدا بلند کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے وہ اپنی آنکھوں کے حال زار کو بیان کررہی ہے کہ انہوں نے باران اشک سے صرف رخسار ہی نہیں سارے پیرہن کو تر کردیا ہے۔ کہہ رہی ہیں کہ موت نے میرے بھائی کو مجھ سے چھین کر جوغم دیا ہے اس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ اب موت کبھی بھی آئے کسی کو بھی لے جائے مجھے کوئی فکر نہیں، میں تو بس صبر ہی کروں گی اور کر بھی کیا سکتی ہوں وہی مداوا ہے اور درد کا درماں:

الا ما لعینك الا ما لها لقد اخضل الدمع سربالها

لتجر المنية بعد الفتى المغادر بالمحو اذلالها

فان تصبر النفس تلق السرور وان تجزع النفس اشقى لها (۳۰)

تصویر کشی: عرب کے جن شعراء کو مدنظر رکھ کر کہا جاتا ہے کہ فطرت، حقیقت پسندی، واقعیت اور واقعہ کی نمایاں تصویر کشی عرب کی قدیم شاعری کا لازمہ اور اہم عنصر ہے، ان ہی میں سے ایک حضرت خنساءؓ بھی ہیں۔ انہوں نے اپنے مراثی میں درد دل اور آہ جگر کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ ہر سننے اور پڑھنے والا اس درد کی کسک کو محسوس کرنے لگتا ہے اور نفس واقعہ کا حصہ بن جاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ سارے واقعات کا وہ بچشم خود مشاہدہ کررہا ہے۔ دیکھیے وہ ایک گائے کی تصویر کشی کررہی ہیں جس کا نومولود بچہ فوت ہوگیا ہے اور اہل خانہ نے دودھ نکالنے کے لیے بچہ کی کھال میں بھس بھر کر حقیقی بچہ کی طرح ایک بچہ بنادیا ہے، جو گائے کے پاس کھڑا رہتا ہے اور گائے اسے اپنا حقیقی بچہ تصور کرتی ہے۔ یہ بے چاری گائے اسی دھوکہ کے اردگرد چکر لگارہی ہے، چوم رہی ہے اور پیار کررہی ہے، چراگاہ جاتی ہے چرتی ہے کہ اچانک بچہ کی یاد آتی ہے اور دوڑی ہوئی بچہ کے پاس آتی ہے، چومتی ہے پیار کرتی ہے لیکن بچہ کی عدم حرکت کی وجہ اسے مایوس کردیتی ہے۔

ترتع ما رتعت حتى اذا ادكرت فانما هي اقبال و ادبار

لا تسمن الدهر في ارض وان رتعت فانما هي تحنان و تسجار (۳۱)

يوما باوجد منى حين فارقنى صخر وللدهر احلاء وامرار

مشتے از خروارے کے طور پر بطور نمونہ چند اشعار ذکر کردیے گئے ہیں۔ کسی شاعر نے حیات خنساءؓ کی حقیقی تصویر کشی کچھ اس طرح کی ہے:

آنکھوں کو شغل گریہ ہمیشہ رہا عزیز
دریا کی ساری عمر روانی میں کٹ گئی

مراجع

(۱) مستفاد مقدمہ دیوان خنساؓ/دار المعرفۃ بیروت، ۲۰۰۷ء۔ (۲) دیوان خنساؓ۔ (۳) طبقات فحول الشعراء۔ (۴) دیوان خنساؓ/۵۔ (۵) مقدمہ دیوان خنساؓ۔ (۶) الشعر والشعراء ابن قتیبہ، ۲۰۲۔ (۷) مقدمہ دیوان خنساؓ/۹۔ (۸) الکامل للمبرد/۱۳۹۶۔

(۹) www.sama3y.net/forum/showthread.۔

(۱۰) http://www.7lema.net/t199495.html۔

(۱۱) دیوان خنساؓ۔ (۱۲) الشعر والشعراء، ۲۰۲۔ (۱۳) عربی ادب کی تاریخ، ۲/۲۰۴۔ (۱۴) دور المرأۃ فی اثراء اللغۃ، ۳۶۔ (۱۵) مقدمہ دیوان خنساؓ۔ (۱۶) دیوان خنساؓ، ۶۹۔ (۱۷) ایضاً، ۱۲۰۔ (۱۸) ایضاً، ۳۱۔ (۱۹) ایضاً، ۴۵۔ (۲۰) ایضاً، ۲/۷۔ (۲۱) عربی ادب کی تاریخ، ۲/۲۰۶۔ (۲۲) طبقات فحول الشعراء، ۴/۱۷۔ (۲۳) الکامل للمبرد۔ (۲۴) عربی ادب کی تاریخ، ۲/۲۰۶۔ (۲۵) الکامل للمبرد، ۳/۱۳۹۷۔ (۲۶) دیوان خنساؓ۔ (۲۷) عربی ادب کی تاریخ، ۲/۲۰۷۔ (۲۸) دیوان الخنساؓ، ۴۱۔ (۲۹) دور المرأۃ فی اثراء اللغۃ، ۴۴۔ (۳۰) دیوان خنساؓ، ۹۹۔ (۳۱) ایضاً، ۴۶۔

ابومعشر نجیح سندی - چند توضیحات

جناب ظفر احمد صدیقی

ابومعشر نَجِیح سندی مغازی وسیر کے ایک بڑے عالم ہیں۔ ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں ان کی روایات موجود ہیں۔ ''مصادر سیرت نبوی ﷺ'' کے موضوع پر دارالمصنفین، اعظم گڑھ میں منعقد سیمینار (۹-۱۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء) کے دوران بعض فاضل مقالہ نگاروں نے ان کے نام کا تلفظ نَجِیح بروزن اَمیر کے بجائے نُجَیح بروزن عُمیر بتایا۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ ''معارف'' کے صفحات پر مستند حوالوں کی روشنی میں اس مسئلے کی تحقیق پیش کی جائے۔

ابومعشر کا ذکر امام بخاری (ف ۲۵۶ھ) نے اپنی تصنیف التاریخ الکبیر میں ''باب نجیح'' کے تحت کیا ہے۔ اس باب میں انہوں نے پانچ راویوں کے نام بہ ترتیب ذیل لکھے ہیں:

نجیح أبو علی

نجیح أبو طلحة الأسدی

نجیح بن مهران

نجیح أبو معشر السندی

نجیح القواس أبو یحیی

ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (ف ۳۲۷ھ) نے بھی ''کتاب الجرح والتعدیل'' میں یہی طرز اختیار کرتے ہوئے ''باب تسمیة من روی عنه العلم لمن یسمی نجیح'' کا عنوان قائم کرکے ابومعشر کا ذکر دیگر راویوں کے ساتھ بہ تفصیل ذیل کیا ہے:

نجیح أبو علی

شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

نجيح أبو طلحة الأسدی

نجيح بن مهران

نجيح أبو معشر السندی

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری یا ابن ابی حاتم نے نجیح کی حرکت تو ضبط کی نہیں۔ اس لیے یہ کس طرح متعین ہوگا کہ ان تمام راویوں کا نام بروزن اَمیر ہے یا بروزن عُمیر؟ اس سوال کا جواب ہمیں حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ) کی "تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ" سے مل جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قلت :

نجيح : كثير

وبالضم نُجيح بن ثُعاله بن حزام بن مجاشع بن دارم ، قيده الشاطبي۔ (۱۴۱/۲)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ نجیح تو بہت ہیں، لیکن نجیح بہ ضم نون صرف ایک ہیں اور وہ نُجیح بن ثُعالہ بن حزام ہیں۔ اب یہ بات صاف ہوگئی کہ امام بخاری یا ابن ابی حاتم نے "باب نجیح" میں جن راویوں کا ذکر کیا ہے، ان سب کا نام بہ شمول ابومعشر سندی "نجیح" بہ فتح نون ہے۔ کیونکہ نجیح بہ ضم نون صرف ایک مذکور الصدر راوی ہیں۔

یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تبصير المنتبه" کے دیباچے میں ضبط حرکات کے سلسلے میں اپنے طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ گفتگو کا آغاز اسم مشہور سے کریں گے اور اس کی حرکت ضبط نہیں کریں گے۔ البتہ جہاں اشتباہ کا اندیشہ ہوگا وہاں حروف کے ذریعے حرکت ضبط کردیں گے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

فكل اسم كان شهيراً بدأت به ، ولا أحتاج الى ضبطه ، بل أضبط ما يشتبه به بالحروف ۔

اسی اصول کے تحت انہوں نے ضبط حرکت کے بغیر پہلے "نجيح" کا ذکر کیا ہے، پھر ضبط حرکت کے ساتھ نجیح (بالضم) کا۔ یہیں سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ نجیح بروزن امیر اسم مشہور ہے اور نجیح بروزن عُمیر اسم غیر مشہور ہے اور یہ بھی مستفاد ہوا کہ ضبط حرکت کی ضرورت

اسم مشہور میں نہیں ہوتی، بلکہ اسم غیر مشہور میں ہوتی ہے۔ غالباً اسی لیے امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے " نـجیـح " کی حرکت ضبط کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ کیونکہ باب مذکور میں ان کے ذکر کردہ تمام اسماء " اسم مشہور " کے ذیل میں آتے ہیں۔

اوپر کی سطور میں یہ عرض کیا گیا ہے کہ "نُجیح" (بالضم) نام کے صرف ایک ہی راوی ہیں۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے "تبصیر المنتبہ" کے دیباچے میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جہاں دو ناموں میں اشتباہ کا احتمال ہوگا، وہاں کثیر تعداد والوں کو چھوڑ کر قلیل تعداد والوں کا وہ استیعاب کریں گے۔ اسی اصول کے تحت انہوں نے "نُجیح" کے سامنے "کثیر" لکھا ہے اور "بالضم" لکھ کر صرف ایک راوی کا نام درج کیا ہے۔ لہذا یہ متعین ہوگیا کہ نُجیح (بالضم) صرف ایک ہی راوی ہیں، باقی سب نَجیح (بالفتح) ہیں۔

اب آئندہ صفحات میں مضمون بالا کے مؤیدات پیش کیے جاتے ہیں۔ حافظ أحمد بن محمد الذہبی (ف ۷۴۸ھ) نے اپنی تصنیف "مشتبه النسبة" یا "المشتبه في الرجال : أسمائهم وأنسابهم" میں ابو معشر کا نام ضبط حرکات کے ساتھ اس طرح درج کیا ہے:

"السِندِی أبو مَعشَر نَجِیح" ۔(ص ۳۷۴)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کتاب میں ضبط حرکات کا خاص اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ مقدمۂ کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

فاعلم – ارشدك الله – أن العمدة في مختصري هذا على ضبط القلم، الا فيما يصعب ويشكل، فاتقن يا أخي نسختك، واعتمد على الشكل واللفظ، ولا بد، والا لم تصنع شيأ۔

حافظ ذہبی کی یہ کتاب علی محمد البجاوی کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ ان کی تصریح کے مطابق طباعت کے لیے جس قلمی نسخے کو بنیاد بنایا گیا ہے، وہ مصنف کے نسخے سے منقول ہے اور اس میں ہر جگہ حرکات مکمل طور پر ضبط کی گئی ہیں۔ مختلف علماء نے نسخۂ مصنف سے اس کا معارضہ و مقابلہ بھی کیا ہے۔

ابن ناصر الدین الدمشقی (ف ۸۴۲ھ) نے حافظ ذہبی کی مذکورہ بالا تصنیف سے

متعلق "توضیح المشتبہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔اس میں "نجیح" کی حرکات کو حروف میں ضبط کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قال (أی الذهبی) و نَجیح :

قلت (أی ابن ناصر الدین) بنون مفتوحة ، ثم جیم مکسورة ، ثم مثناة تحت ساکنة ، ثم حاء مهملة ۔(۲۴/۱)

اب ہم ان کتابوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کے تحقیقی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور محقق کتاب نے ان میں ابومعشر کا نام بہ فتح نون درج کیا ہے:

کتاب المجروحین للامام محمد بن حبان البُستی ، تحقیق محمود ابراهیم الزاید :

" نَجیح السندی أبو معشر" ۔(۱۶۰/۱)

میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذهبی ، تحقیق علی محمد البجاوی :

" نَجیح أبو معشر السندی الهاشمی" ۔(۲۴۶/۴)

سیر أعلام النبلاء للذهبی ، تحقیق شعیب الأرنووط ، علی أبو زید :

" أبو معشر نَجیح بن عبد الرحمن السندی" (۴۳۵/۷)

تقریب التهذیب لابن حجر العسقلانی ، تحقیق محمد عوّامه :

" نَجیح بن عبد الرحمن السندی" ۔(ص۵۵۹)

ضمناً عرض کیا جاتا ہے کہ ایک راوی" عبد الله بن نجیح المکی" ہیں۔شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے" العلماء العُزّاب الذین آثروا العلم علی الزواج" میں ان کا تذکرہ قلم بند کیا ہے۔اس کتاب میں شیخ نے "نجیح" پر ایک حاشیہ لکھا ہے۔ذیل میں ان کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے:

نجیح بفتح النون وکسر الجیم بوزن أمیر ، کما فی "مشتبه النسبة" للذهبی ص ۵۱ والقاموس فی (نجح) ، وتاج العروس للزبیدی ۲ : ۲۳۵ ، وضبطه شکلاً محقق "العبر" للذهبی ۱ : ۱۷۳ و محقق "طبقات المفسرین"

للداودی ۱ : ۲۵۲ نجیح بضم النون وفتح الجیم ، وھو خطأ منھما ۔

(نَجِیح بہ فتح نون وکسر جیم بروزن امیر ہے، جیسا کہ ذہبی کی " مشتبہ النسبۃ "
ص ۵۱ اور قاموس (مادہ نجح) اور زبیدی کی تاج العروس ۲/ ۲۳۵ میں درج ہے۔ ذہبی
کی " العبر " ۱/ ۳/ ۱۷ کے محقق نے نیز داؤدی کی " طبقات المفسرین " کے محقق
نے ان کا نام بہ ضم نون وفتح جیم نُجَیح لکھا ہے۔ یہاں دونوں محققین کی غلطی ہے۔)

راقم عرض کرتا ہے کہ ممکن ہے بعض نئی عربی مطبوعات میں ان کے محققین نے ابومعشر السندی کا نام بھی بہ ضم نون وفتح جیم نُجَیح لکھ دیا ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہاں محققین کی غلطی ہوگی اور اسے معرض استدلال میں پیش کرنا درست نہ ہوگا۔

اس بحث سے یہ بھی بہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ محدثین کرام نے علم حدیث کے کسی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہاں تک کہ رواۃ کے ناموں میں مواقع اشتباہ کو بھی مکمل طور پر واضح اور منقح کردیا ہے۔ فللہ درھم ۔

مراجع

(۱) التاریخ الکبیر ، محمد بن اسماعیل البخاری ، الطبعۃ الثانیۃ ، حیدرآباد ۱۹۷۸م ۔ (۲) تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ ، ابن حجر العسقلانی ، تحقیق محمد علی النجار ، مصر (بدون سنہ)۔ (۳) تقریب التھذیب ، ابن حجر العسقلانی ، تحقیق محمد عوامہ ، الطبعۃ الثانیۃ ، بیروت ۱۹۸۸م ۔ (۴) توضیح المشتبہ ، شمس الدین محمد بن عبد اللہ المعروف بابن ناصر الدین الدمشقی ، تحقیق محمد حسن محمد حسن اسماعیل ، بیروت ۲۰۰۳م ۔ (۵) سیر أعلام النبلاء ، محمد بن أحمد الذھبی ، تحقیق شعیب الأرنؤوط ، علی أبو زید ، بیروت ۱۹۸۶م ۔ (۶) العلماء العزّاب الذین آثروا العلم علی الزواج ، عبد الفتاح أبو غدۃ ، بیروت ۱۹۹۶م ۔ (۷) کتاب الجرح و التعدیل ، أبو محمد عبد الرحمن بن أبی حاتم الرازی ، الطبعۃ الأولی ، حیدرآباد ۱۹۵۳م ۔ (۸) کتاب المجروحین ، محمد بن حبان البستی ، تحقیق محمود ابراھیم الزاید ، الطبعۃ الثانیۃ ، سوریا ۱۴۰۲ھ ۔ (۹) مشتبہ النسبۃ / المشتبہ فی الرجال ، محمد بن أحمد الذھبی ، تحقیق علی محمد البجاوی ، الطبعۃ الأولی ، مصر ۱۹۶۲م ۔ (۱۰) میزان الاعتدال فی نقد الرجال ، تحقیق علی محمد البجاوی ، الطبعۃ الأولی ، مصر ۱۹۶۳م ۔

دارالعلوم کالج قاہرہ میں سیرت نبویؐ پر عالمی سمینار

جناب صاحب عالم اعظمی ندوی*

دارالعلوم کالج قاہرہ کے شعبہ تاریخ وتمدن اسلامی میں "ماضی وعصر حاضر میں سیرت نبوی" کے عنوان سے سمینار رہوا، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ شعبہ کا پہلا عالمی سمینار بھی تھا جس میں مصر کے علاوہ دیگر ملکوں کے اہل علم وفضل شامل ہوئے۔ یہ دوروزہ سمینار ۴-۵ دسمبر ۲۰۱۰ء کو منعقد ہوا۔

الحمد للہ اس وقت پورے عالم میں اور خاص طور پر برصغیر میں سیرت شناسی کی مبارک کوششیں تیز تر ہیں، اس لیے احقر نے مناسب سمجھا کہ "معارف" کے ذریعہ اس سمینار کے مقاصد، مقالات اور صاحب مقالات کا ذکر مختصر ہی سہی اردو داں طبقے کے سامنے آئے اور ممکن ہے بعض موضوعات برصغیر کے اہل قلم کو مزید فکر وتحقیق کو دعوت دیں، مجھے بھی خدا کا شکر ہے، اس سمینار میں شرکت کا موقع ملا اور اسی مناسبت سے سیرت نبوی کی تدوین میں برصغیر کے علماء کی کاوشوں کے عنوان سے علامہ شبلی نعمانیؒ کی سیرت النبی ﷺ کے تعارف کی سعادت ملی کانفرنس کے مقاصد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- سیرت نبویؐ کے حوالے سے شائع شدہ مآخذ کی ازسرنو تحقیق، کتب خانوں میں موجود قدیم متعدد قلمی نسخوں کی تلاش اور تحقیق وتنقید کے بعد ان کی اشاعت، اس کے علاوہ مفقود قدیم کتابوں کے حوالے سے جو کچھ ملتا ہے ان کو جمع کرنا اور ان کا تحقیقی مطالعہ کرنا اور عصر حاضر میں نقوش وآثار سے حاصل جدید علمی معلومات کو بھی جمع کرنا اور انہیں شائع کرنا۔

۲- سیرت نبویؐ کے مطالعات کا اعادہ مختلف طریقوں سے کیا جاسکتا ہے جیسے سیرت سے مسائل کا صحیح طور سے احاطہ کرکے اصل ماخذوں کی روشنی میں ان کی تحقیق کی جائے اور سیرت میں

* دارالعلوم کالج قاہرہ، مصر۔

معاصر عربی اور غیر عربی کتابوں کا بھی مختلف زاویوں اور متعدد پہلوؤں سے مطالعہ کیا جائے۔

۳- سیرت کے تمام علمی سرمائے سے استفادہ بایں طور کہ انہیں ایک منظم اور ہم آہنگ انداز میں پیش کر کے سیرت کے اقدار و اخلاق کو ایسے علمی پیرائے میں لایا جائے جس سے اس کی روحانی تاثیر ہمارے معاشرے کے سیاسی، اقتصادی، علمی، معاشرتی، ثقافتی اور اخلاقی سارے پہلوؤں کو محیط ہو اور یہ امر آج زیادہ آسان بھی ہے کیونکہ سیرت کے تمام تر حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ ہمیں کتب احادیث و سیرت سے دستیاب ہیں جن کی روشنی میں عہد نبوی کے تمام مراحل زندگی نظروں کے سامنے لائے جاسکتے ہیں۔

کانفرنس کے بنیادی موضوعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سیرت و مغازی کے اصل ماخذ اور ان کی شرحیں: مثال کے طور پر ابن ہشام کی سیرت نبوی، واقدی کی مغازی، ابوذر خشنی کی شرح سیرت نبوی، سہیلی کی روض الانف وغیرہ۔

تفسیر و حدیث و فقہ کی کتابیں: اس باب میں کثرت سے حدیث و رجال و فقہ کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت تحقیق اور تنقید سے مستند تصانیف تیار کی جائیں تاکہ تحقیق و تنقید کے بلند ترین معیار سے مبالغہ آمیز اور موضوع روایتوں کی تشخیص احسن طریقہ سے ہوسکے جس سے سیرت کے حوالے سے نئے موضوعات کا مطالعہ کرنے میں آسانی ہو۔

عام تاریخ و طبقات و تراجم کی کتابیں: اس باب میں سرفہرست تاریخ طبری، ابن اثیر کی الکامل، ابن کثیر کی بدایہ و نہایہ، ابن سعد کی طبقات، ابن عبدالبر کی استیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابہ، ابن حجر کی اصابہ وغیرہ کتابیں ہیں، جن سے جدید موضوعات پیش کیے جاسکتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے ماخذوں میں ادبی، لسانی اور عقیدہ و فلسفہ کے پہلو: عصری بین الاقوامی ضرورت کے پیش نظر اس قسم میں عقیدہ و فلسفہ، نیز ادب و لسانیات کے علماء کے لیے دعوت تحقیق ہے، کیونکہ سیرت کی کتابوں میں اسلام سے پہلے اور بعد میں عقیدے کے حوالے سے کافی مواد موجود ہے، نیز یہ کتابیں نحوی مثالوں سے بھری ہوئی ہیں اور ان میں ہزاروں اشعار ہیں جو تحقیق و تنقید کے محتاج ہیں۔ لغت کی اہم کتابوں مثلاً لسان العرب اور تاج العروس وغیرہ میں موجود تاریخی مواد سے استفادہ کی شکل بھی ہے۔

معاصر سیرت نگاری کی روشنی میں سیرت نبوی کا مقام: اس باب میں سیاست اور اقتصاد نیز حکومت و انصرام کے ماہرین معاصر اقتصادی، اداری، سیاسی اصطلاحات و مسائل کی روشنی میں مغرب و مشرق کے موجودہ حکومتی اصول و قواعد کا حضور ﷺ کے قائم کردہ حکومتی اصول و قواعد سے موازنہ کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ حضور ﷺ کے علمی اور تربیتی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے اس میدان کے ماہرین بھی تقابلی مطالعہ پیش کر سکتے ہیں، معاشرے میں سیرت نبوی کے اخلاق و اقدار کو واضح کر کے اور ان کی تعلیم عام کرنے کے لیے ریڈیو و ٹی وی نشریات و صحافت ذرائع ابلاغ انٹرنیٹ وغیرہ کے ماہرین کے لیے ایک مفید ترین موقع ہے۔

ان مقاصد اور موضوعات کو نظر میں رکھتے ہوئے جن اصحاب قلم و تحقیق نے اپنے مقالات پیش کیے ذیل میں ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) ڈاکٹر حسن علی حسن (مصر): مکہ میں حضور ﷺ پر کیے گئے مشرکین کے ظلم و تعذیب کی شکلیں - ایک تحقیقی مطالعہ۔ (۲) ڈاکٹر احمد حسن عمر (سوڈان): غزوہ بدر: اسباب اور نتائج۔ (۳) ڈاکٹر مصطفیٰ علی دویدار (سعودی عرب): عہد نبوی میں وادی قری۔ (۴) محمود ابراہیم الرضوانی (مصر): مکہ میں دعوت کی شروعات سری نہیں بلکہ اعلانیہ تھی۔ (۵) ڈاکٹر غازی بن غزای المطیری (سعودی عرب): سیرت نبوی کے تمدنی جلوے۔ (۶) ڈاکٹر بریک بن محمد ابو مایلہ (سعودی عرب): حضور ﷺ کی تمدنی اور فکری جدت پسندیاں۔ (۷) ڈاکٹر احمد سعود الحسن (کویت): معاصر نظام کی روشنی میں حضور ﷺ کی دعوت کے مقاصد۔ (۸) ڈاکٹر امیرہ محمد صبح (مصر): اسلامی اقتصاد کا عصر نبوت اور معاصر نظام کی روشنی میں تقابلی مطالعہ۔ (۹) ڈاکٹر حسن علی حسن (مصر): محدثین کے اصولوں کی روشنی میں حضور ﷺ کی ولادت اور بعثت کے حوالے سے معجزات کی روایات۔ (۱۰) ڈاکٹر علی المزینی (سعودی عرب): سیرت نبوی کے حوالے سے محدثین اور مورخین کے اصول۔ (۱۱) ڈاکٹر عبداللہ جمال الدین (مصر): سیرت نبوی کے حوالے سے محدثین اور مورخین کے اصول (بخاری اور مقریزی ایک مثال)۔ (۱۲) ڈاکٹر عبدالرحمن سالم (مصر): سیرت نبوی کی نگارش میں کارین آرمسترونج پر موتجومری کے افکار کا عکس۔ (۱۳) ڈاکٹر براین رایت (امریکا): ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد سیرت نبوی پر مستشرقین کے حملوں کے نئے سلسلے۔

(۱۴) ڈاکٹر صاحب عالم اعظمی ندوی (ہندوستان): سیرت نبوی کی تدوین میں برصغیر کے علماء کی شرکت (شبلی النعمانی ایک مثال)۔ (۱۵) ڈاکٹر عبدالحمید الرفاعی (مصر): سیرت نبوی کی تصنیف میں امام محمد الغزالی کے اصول۔ (۱۶) ڈاکٹر عبداللہ بن عثمان الخراشی (سعودی عرب): سیرت نبوی کے مآخذ حدیث کی کتابیں: ایک تحقیقی مطالعہ۔ (۱۷) ڈاکٹر طہ عبدالمقصود عبدالحمید (مصر): یاقوت الحموی کی کتاب معجم البلدان میں سیرت نبوی کے موضوعات: ایک تحقیقی مطالعہ۔ (۱۸) ڈاکٹر ہاشم عبدالراضی (مصر): سیرت نبوی کی تدوین میں النویری کے اصول۔ (۱۹) ڈاکٹر یسری احمد زیدان (مصر): عیسائی مورخین کی تصنیفات میں سیرت نبوی کے موضوعات: ابن العمید و ابن العبری ایک مثال۔ (۲۰) ڈاکٹر حجازی عبدالمنعم سلیمان: مغربی فکر کے تناظر میں سیرت نبوی کا مطالعہ خاص طور پر صلیبی جنگوں کے زمانہ میں۔ (۲۱) ڈاکٹر احمد طاہر عبدالرحمن النقیب (مصر): سیرت نبوی کی اصطلاح کی تعریف اور اس کے اصول وضوابط۔ (۲۲) ڈاکٹر نورہ الحساوی (سعودی عرب): بعثت نبوی سے پہلے اور بعد میں مکی معاشرہ میں شادی بیاہ کا نظام: ایک تقابلی مطالعہ۔ (۲۳) ڈاکٹر ذکریہ بنت احمد غفلان (سعودی عرب): حضور ﷺ کا اپنی بیگمات سے معاملات میں حسن عمل۔ (۲۴) ڈاکٹر نوال عبدالعزیز العید (سعودی عرب): عہد نبوی ﷺ کے اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام۔ (۲۵) ڈاکٹر عبدالفتاح فتحی (مصر): عہد نبوی کا اسلامی معاشرہ: واقعہ افک اور غزوۂ تبوک میں نہ شرکت کرنے والے والے تین افراد کے حالات کے آئینہ میں۔ (۲۶) عبدالباری محمد الطاہر (مصر): عہد نبوی کے مدینہ منورہ میں یہودیوں اور منافقین کے مابین تعلقات کی نوعیت۔ (۲۷) ڈاکٹر ناصر محمود وہدان (مصر): سنت نبوی ﷺ کی خدمت میں ڈاکٹر موسی شاہین لاشین کی کوششیں۔ (۲۸) ڈاکٹر علی بن موسی الزہرانی (سعودی عرب): سیرت نبوی کی روشنی میں لوگوں سے معاملات کرنا حضور ﷺ کا اپنے مخالفین سے درگذر کرنا ایک مثال)۔ (۲۹) ڈاکٹر محمد بن محمد حواجی (سعودی عرب): سیرت نبوی کے عقائدی پہلو غزوہ بدر ایک مثال۔ (۳۰) ڈاکٹر عبدالکریم بن عیسی الرحیلی (سعودی عرب): واقعہ افک سے مستخرج عقائدی اسباق۔ (۳۱) ڈاکٹر حامد بن معاوض عطیہ (سعودی عرب): ایک داعی کے لیے جنگ حدیبیہ میں عقائدی بنیادوں کے نمایاں آثار صحیح بخاری کی روشنی میں۔

(۳۲) ولید بن محوس الزہرانی (سعودی عرب): تفسیر پر سیرت نبوی کا اثر۔ (۳۳) ڈاکٹر حمدی شاہین (مصر): رسول ﷺ کے ملک میں سیاسی کثرت۔ (۳۴) ڈاکٹر صلاح الدین عبدالرحمٰن سلطان (مصر): اسلامی تمدن سے عربی زبان و ادب کا تعلق: ایک تحقیقی مطالعہ۔ (۳۵) ڈاکٹر سلیمان یوسف خاطر (سعودی عرب): کتاب "روض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ" میں نحوی اور صرفی دلائل۔ (۳۶) ڈاکٹر محمد طہٰ عصر (مصر): سیرت نبوی کے بردہ کی روایت کا شکلی و جمالیاتی مطالعہ۔ (۳۷) ڈاکٹر محمد عمر مفتاح میدون (ملیشیا): جہاد کی فضیلت کے حوالے سے سنت نبی ﷺ کی بلاغت۔ (۳۸) ڈاکٹر مشعل محمد الحداری (کویت): لوگوں کو آمادہ کرنے کے لیے نبوی طرقہ۔ (۳۹) ڈاکٹر عواطف علی الجحوبی (سعودی عرب): سیرت نبوی میں فن گفت و شنید کی اہمیت اور مہارت۔ (۴۰) ڈاکٹر لطیفہ عایض الجمی (سعودی عرب): سیرت نبوی کے مآخذ: واقدی کی کتاب المغازی میں ادبی مواد۔ (۴۱) ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالباطی شلبی (مصر): سیرت نبوی کی تدوین میں قدماء اور محدثین کی استعمال کردہ فنی زبان اور اس کی تاثیر۔ (۴۲) ڈاکٹر عبدالدایم (مصر): جدید عربی ادب کے تین رہنماؤں کی نگارشات میں ہجرت کا مقام۔ (۴۳) ڈاکٹر سعید بن علی الجعیدی (سعودی عرب): عربی قصوں کے ناقدین کے یہاں سیرت نبوی کا مقام۔ (۴۴) ڈاکٹر عزت محمد ابوالنجا (مصر): طہٰ حسین کی کتاب علی ھامش السیرۃ میں سیرت نبوی کی ادبی طبع آزمائی۔ (۴۵) ڈاکٹر مردہ مختار عبدالنبی (مصر): عباس محمد العقاد کی کتاب عبقریت محمد میں خطابی دلیلیں۔ (۴۶) ڈاکٹر بسمہ محمد بیومی (مصری): سیرت نبوی کے اخلاقیات: ایک فکری تقابلی مطالعہ۔

اختتامی بیان: مہمانوں نے کانفرنس کے اختتام پر اظہار خیال کیا اور عام طور پر شرکاء نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات و معاملات میں سیرت نبوی کے اصول و ضوابط کو بروئے کار لانے پر زور دیا۔ جامعہ ملک سعود سعودی عرب کے علی بن موسیٰ الزہرانی نے کہا کہ سیرت نبوی کے اصول و ضوابط پر مبنی منہج ہی ایک ایسا مستقیم راستہ ہے جس پر چل کر ہم غیر مسلموں بلکہ مخالفین اسلام سے تعلقات میں صحیح منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

امریکن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر براین رائٹ نے سیرت نبوی پر مستشرقین کے تعصبانہ حملوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ جو مسائل حضور ﷺ کی زندگی سے متعلق ہیں دراصل ان

ہی مسائل کو لے کر یہ مستشرقین یورپ و امریکہ میں اسلام کی ایک ایسی مسخ صورت پیش کرتے ہیں جو اسلامی معاشرہ کی پیش کردہ شکل و صورت سے یکساں مختلف ہوتی ہے، یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ ان کے سیاسی مقاصد دراصل یہ ہوتے ہیں کہ وہ یورپ و امریکہ میں علمی اور ثقافتی طریقہ استعمال کرتے ہوئے اسلام پر حملہ آور ہوں اور اس کی شبیہ مسخ کریں اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر فوری اور کامل توجہ کی ضرورت ہے۔ نیز ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہی لوگ دراصل مغربی لوگوں کے اصل وسائل معلومات ہیں کہ جب بھی یہ قومیں اسلام کے حوالے سے کچھ جاننا چاہتی ہیں تو یہی مستشرقین ان کے اصل مرجع ہوتے ہیں۔ اس لیے ان مستشرقین کی علمی و تحقیقی تصحیح سب سے مقدم ہے۔

دارالعلوم کالج کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر صالح توفیق نے کہا کہ صحابہؓ کے دلوں میں اسلامی اخلاقیات کو راسخ کرنے میں حضور ﷺ کی کوششوں اور تربیتی اعمال پر خاص طور پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم سنت کے اصل اور حقیقی پہلوؤں کو دیکھ سکیں اور لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب: ۲۱) (فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات (سیرت) میں ہی نہایت حسین نمونہ حیات ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے ملنے کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے) کی حصول یابی ممکن ہو، انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کی سیرت اور اس کی بقا کے لیے اہم ستون دراصل صحابہؓ کی مبارک زندگیاں ہیں۔

دارالعلوم کالج کے ڈپٹی ڈین پروفیسر یسری احمد زیدان نے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ علماء و ادباء نے عصر قدیم و حاضر میں سیرت طیبہ پر خوب لکھا اور یہ عمل آج بھی جاری ہے، سیرت نگاروں کی فہرست میں مسلم اور غیر مسلم تمام مصنفین شامل ہیں۔ ہر دور اور ہر خطہ کے اہل علم نے اپنی بساط کے مطابق آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر لکھنے کی سعادت حاصل کی لیکن اس کے باوجود سیرت پاک ﷺ ہمہ گیر، ہمہ جہت بلکہ بحر ناپیدا کنار ہے، اس کے تمام پہلوؤں کی تکمیل ممکن نہیں تاہم ہر دور کے تقاضوں کے لیے سیرت پاک ﷺ ہی مشعل راہ ہے اس لیے ہر دور میں سیرت کی جہات کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔

اخبار علمیہ

پاکستان کے معروف محقق ڈاکٹر احمد خان نے ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، وظیفہ یاب ہونے کے بعد اسلام آباد ہی میں مرکز برائے تحفظ مطبوعات کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جہاں سے انہوں نے قرآن مجید کے اردو تراجم کے مخطوطات کی عالمی کتابیات مرتب کر کے شائع کی ہے۔اس میں انہوں نے موجودہ فہارس اردو تراجم اور مطبوعات پیش نظر رکھی ہیں اور متعدد کتب خانوں میں اصل مخطوطہ کا بہ نظر غائر مطالعہ بھی کیا ہے۔اس طرح اردو تراجم کے مخطوطات کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔اس کا پیش لفظ ترکی کے مشہور اسکالر اور اسلامی کانفرنس تنظیم کے سکریٹری پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو نے لکھا ہے۔

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے وطن پھریہا (اعظم گڈھ) سے تعلق رکھنے والے ایک ندوی فاضل مولوی محمد عمران اس وقت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی فقہی خدمات پر قاہرہ یونیورسٹی مصر سے ریسرچ کر رہے ہیں۔انہوں نے نوکیا موبائل سیریز ماڈل کے لیے ایک ایسا پروگرام مرتب کیا ہے جس کے ذریعہ عربی، اردو، انگریزی ڈکشنری، حج وعمرہ کے ارکان کی رہنمائی، اذکار مسنونہ اور فضائل رمضان وغیرہ کے عربی مواد کو اردو میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس پروگرام کی ترتیب میں مصر کی بی ٹک کمپنی کا تعاون شامل ہے، محمد عمران پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے موبائل پر اردو سافٹ ویر کی ایجاد کی ہے۔یہ خبر راشٹریہ سہارا میں شائع ہوئی ہے۔

ینگ مسلم ڈائجسٹ کی اطلاع کے مطابق حکومت جرمنی نے تین صوبائی یونیورسٹیوں میں ائمہ اور مذہبی اساتذہ کی تربیت کے لیے فنڈ مہیا کرنے کا اعلان کیا ہے۔ٹوبنجن اور میونسٹر یونیورسٹیاں عیسائی دینیات کے شعبہ جات کے لیے پہلے سے مشہور ہیں۔جرمن نژاد پوپ بینڈکٹ بھی یہاں کے سابق پروفیسروں میں ہیں۔تیسری یونیورسٹی اوناسبروک نے تیس طلبہ پر مشتمل امامت کا ایک کورس داخل کیا ہے، صوبائی اسکولوں میں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور یہودیوں کے لیے دینیات پہلے سے داخل تھیں، چونکہ بعض اسکولوں نے اب اسلامک اسٹڈیز کی تدریس شروع کردی اور کئی دوسرے اسکول اس کا منصوبہ بنا رہے ہیں، اس لیے اب حکومت کی توجہ بھی اس جانب مبذول ہوئی ہے۔وزیر تعلیم کا کہنا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ائمہ زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ ہوں اس لیے کہ تعلیم اور معاشرے کے درمیان یہ امام رابطہ کا ذریعہ ہیں اور یہ

پل کا کام کرتے ہیں لیکن بعض مسلمانوں نے عیسائی اسکولوں میں ائمہ کی تربیت پر اعتراض بھی کیا ہے۔

انگریزی ہفت روزہ ''ریڈینس'' میں شائع خبر کے مطابق انٹرنیشنل اردو فاؤنڈیشن کے صدر کبیر صدیقی صاحب نے ایک دستاویزی فلم بنائی ہے۔ مولانا آزاد کے یوم ولادت کو ہندوستان میں یوم تعلیم کی حیثیت سے منایا جاتا ہے۔ DD نیشنل ٹی وی چینل پر اس فلم کو دکھایا گیا ہے۔ اس میں مولانا آزاد کی علمی، سیاسی اور تاریخی شخصیت کے ساتھ ان کی تحریک آزادی پر مشتمل سرگرمیوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ سب سے خاص اور دلچسپ ان کا سوانحی خاکہ ہے، جس میں تصویروں، مخطوطات، خطوط، مقالات اور ان کی اہم اور نادر کتابوں کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے۔

ٹائمس آف انڈیا دہلی کی خبر ہے کہ بھوپال کے سروجنی نائیڈو کالج کی انتظامیہ نے اسکول میں استانیوں کو ساڑی پہن کر آنے کی ہدایت دی ہے۔ سرکلر کے مطابق استانیاں اب جینس، ٹی شرٹ، شلوار قمیص پہن کر کلاس نہ کرسکیں گی، اس کے بعد لڑکیوں کو بھی کالج میں جینس یا کوئی نازیبا لباس پہن کر آنے پر پابندی عائد کردی جائے گی۔

ایک امریکی ویب سائٹ نے دوسو اسرائیلی فوجیوں کی ایک فہرست مع شناختی کارڈ شائع کیا ہے جنھیں جنگی مجرم گردانا گیا ہے۔ ویب سائٹ نے جن اعلیٰ اور نچلی سطح کے فوجیوں کو اس میں شامل کیا ہے ان کی اکثریت نے ۲۰۰۸ء میں غزہ میں مسلسل تین ہفتوں تک چلنے والی اسرائیلی جارحیت میں حصہ لیا تھا۔ ویب سائٹ کے مطابق یہ خبر ایک مجہول الاسم شخص نے دی جو غالباً اسرائیلی فوج سے وابستہ رہے۔

جرمنی کی تنظیم اہل قلم ڈاٹ کام، شریف اکیڈمی اور ریڈیو پاک سلونا نے مشترکہ طور پر اسپین کے دو مشہور شہروں قرطبہ اور بارسلونا میں سہ روزہ عالمی اردو کانفرنس منعقد کیا۔ اس کی صدارت کینیڈا کے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے کی، اپنے خطاب میں ڈاکٹر عابدی نے علامہ اقبال کا وہ تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا جو بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۹۳۶ میں منعقد ہونے والی اردو کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ شاعر مشرق نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ ''اگرچہ میں اردو زبان کی بہ حیثیت زبان خدمت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تاہم میری لسانی عصبیت دینی عصبیت سے کسی طرح کم نہیں''، ڈاکٹر عابدی نے قرطبہ کانفرنس کی معنویت واہمیت پر روشنی ڈالی اور اردو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے استعمال پر زور دیا، اردو رسم الخط کے متعلق ان کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ اردو رسم الخط اس کے بدن پر لباس نہیں

بلکہ اس کی جلد ہے جس کے بدلنے سے اس کا جسم زندہ نہیں رہ سکتا۔جرمن نژاد ڈاکٹر اسٹیمر جنہوں نے اقبال کی کئی کتابوں کے جرمن اور انگریزی میں ترجمے کیے ہیں۔قرطبہ کے تعلق سے اقبال شناسی پر انگریزی میں مقالہ پڑھا،اس کے علاوہ فرانس کی شاعرہ سمن شاہ،ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کیانی،فاروق نسیم،نورالصباح یاسمین براس (انگلینڈ)،سید ارشاد قمر (ہالینڈ) شفیق مراد (یورپ) روبینہ فیصل (کینیڈا) وغیرہ نے مختلف موضوعات پر اپنے گراں قدر تحقیقی مقالے پیش کیے۔کانفرنس میں اردو کی بنیادی تعلیم کو فروغ دینے،اردو رسم الخط کی حفاظت کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کرنے اور یورپ میں ایک مرکزی لائبریری قائم کرنے کی قرارداد بھی منظور کی گئی۔آئندہ ہائیڈل برگ (جرمنی) میں کانفرنس کرنے کا اعلان کیا گیا۔

ڈوئچے ویلے،جرمنی کا ایک بین الاقوامی نشریاتی ادارہ ہے جو اپنے سامعین اور ناظرین کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو نشریات کے ذریعہ عالمی حالات وواقعات منفرد انداز میں پیش کرتا ہے،ڈوئچے ویلے شعبہ اردو کی نشریات کا آغاز اگست ۱۹۶۴ء کو ہوا۔اس اعتبار سے اس کی خدمات کی مدت تقریباً نصف صدی ہے،یہ جدید ترین ذرائع ابلاغ کے استعمال کو بڑی اہمیت دیتا ہے،اس لیے کہ اس کے ذریعہ ہر روز دنیا بھر میں کروڑوں انسان ایک دوسرے کے رابطے میں رہتے ہیں،فیس بک،ٹوئیٹر،ڈگ وغیرہ ایسی سوشل سائٹس ہیں جہاں ڈوئچے اردو کے پیج کے ذریعہ سامعین اور انٹرنیٹ صارفین نہ صرف ہر نئی خبر سے واقف ہوسکتے ہیں بلکہ آپس میں تبادلۂ خیال بھی کرسکتے ہیں۔ڈوئچے ویلے شعبہ اردو اپنے سامعین اور صارفین کو ملٹی میڈیا انداز میں وہ سب مہیا کراتا ہے جن کی کوئی بھی شہری خواہش کرسکتا ہے۔(اخبار اردو،پاکستان)

سوئز بینک کے ڈائریکٹر کے بیان کے مطابق ہندوستانی غریب ضرور ہیں لیکن ہندوستان غریب ملک نہیں۔ان کے مطابق ۲۸۰ لاکھ کرور ہندوستانی روپے سوئز بینک میں جمع ہیں،ان روپیوں سے تیس برس تک ہندوستان میں بغیر ٹیکس کا بجٹ پیش کیا جاسکتا ہے،تمام ہندوستانیوں کو ۶۰ کرور ملازمتیں دی جاسکتی ہیں،کسی بھی گاؤں سے دہلی تک لین روڈ جاسکتی ہے۔پانچ سو سے زیادہ عوامی اور رفاہی اداروں کو مدت دراز تک مفت چلایا جاسکتا ہے۔ہر شہری کو ساٹھ برس تک ماہانہ ۲ ہزار روپے دیے جاسکتے ہیں۔ورلڈ بینک اور IMF سے قرض کی ضرورت ہندوستان کو نہیں۔یہ خبر Mailtu:thanimadammam@googlegroups.com پر شائع ہوئی۔

ک۔ص۔اصلاحی

وعات جدیدہ

اسلوب احمد انصاری شخصیت، تنقید اور انداز تحریر: مرتبین: جناب عبدالمتین، جناب محمد یوسف امین، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۳۸۴، قیمت ۴۰۰ روپے، پتہ: یونیورسل بک ہاؤس، عبدالقادر مارکیٹ، علی گڑھ، یوپی۔

انگریزی ادب کے معلم اور فکر اقبال کے مبلغ کی حیثیت سے پروفیسر اسلوب احمد انصاری کا عرصے سے زمانہ معترف ہے، انگریزی ادب عالیہ خصوصاً تحلیلی و تجزیاتی تنقید کی عمدہ روایات کا انہوں نے بڑی مہارت و نزاکت سے اردو دنیا سے تعارف کرایا، ایسا نہیں کہ کلیموں سے یہ کوہ و کمر خالی تھے، لیکن قلب سلیم کی نعمت سے تہی دستی بھی ایک حقیقت ہے، یہ نعمت پروفیسر انصاری کو وافر ملی، ایلیٹ، شکسپیر، ملٹن، ورڈس ورتھ جیسے اہل فکر و فن کے مطالعہ نے ان کو اردو ادب اور اس کی ہستیوں کے بیان میں زبان کو لکنت کی جگہ کچھ اور قوت عطا کی، غالب و اقبال اور رشید احمد صدیقی کی شکل میں انہوں نے اردو بلکہ مشرقی ادب کی ثروت کا جس طرح اعلان کیا وہ ان کے قلم کا نمایاں کارنامہ ہے، اقبال یقیناً ان کی فکر اور وجدان کا سرچشمہ ہیں اسی لیے وہ ان کے سب سے بڑھ کر ممدوح بھی ہیں، ان کے قلمی و تصنیفی سرمایہ کا بیش تر حصہ اقبالیات کا ہے، یہ احساس جذباتی یا تاثراتی ہوسکتا ہے کہ اردو کے کسی بھی ادیب و نقاد کی صلاحیت و صالحیت کی ایک علامت فکر و فن اقبال سے وابستگی بھی ہے اور اسلوبی وابستگی تو عین شعوری ہے اور اس شعور کے بالغ و کامل ہونے میں بہر حال کوئی شک نہیں بالکل اسی طرح جیسے انہوں نے یہ کہا کہ ”اقبال کے عظیم فنکار ہونے میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں“ ان کے دعوے کی دلیل بلکہ بنیاد یہ ہے کہ ”اس (عظمت فن) کا اظہار پیام مشرق، بال جبرئیل اور زبور عجم میں خاص طور پر جس آب و تاب، جمال و جلال اور گہرائی و گیرائی سے ہوا ہے، اس کی مثال اردو اور فارسی کی روایت میں تلاش کرنا آسان نہیں، دراصل ادب اور شاعری محض فن کی نمود سے عبارت نہیں ہیں بلکہ یہ تہذیب کے عمل کا ایک حصہ ہیں“، اسلوب صاحب کی تحریر بلکہ تفکیر کے بارے میں زیر نظر مجموعہ مضامین گویا اسی بنیاد کی توسیع ہے، قریب چوبیس مضامین ہیں جن میں اسلوب صاحب کی علمی زندگی کے ہر پہلو کو

دیکھا اور دکھایا گیا ہے لیکن ہمارے لیے اس سے زیادہ ان کی شخصیت اور ذاتی زندگی کے وہ گوشے اہم ہیں جن پر عموماً نظر کم پڑتی ہے حالانکہ شخصیت کے عناصر ترکیبی سے واقفیت میں اہمیت ان ہی کی ہوتی ہے، ان تحریروں کی نسبت زیادہ تر ان سے ہے جو ہم عصر ہی نہیں ہم رتبہ بھی ہیں یا وہ ہیں جن کو بہت قریب سے دیکھنے کی توفیق ملی اور جن کی گواہی واقعی معتبر ہے اور جب وہ یہ کہتے ہیں کہ علم و شرافت کے کامل امتزاج کی ایسی مکمل تجسیم نظر سے نہیں گذری یا یہ کہ ان کی شخصیت ان کی تحریروں کی طرح اقدار عالیہ سے عبارت ہے تو حیرت نہیں ہوتی، لیکن خوش گوار سرور اس وقت سوا ہو جاتا ہے جب ان کے لائق اور اب نامور شاگرد پروفیسر عبدالرحیم قدوائی کے قلم سے اس اختصار کی توضیح یوں ہوتی ہے کہ "انگریزی ادب و تنقید سے انہماک کے باوصف اسلوب صاحب کی اولین اور غیر متزلزل وفاداری اسلام اور کلام اللہ سے ہے، اسلامی نظام اقدار، تعلیمات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ ان کی فکر کے بنیادی مآخذ ہیں، ان کا قلم دینی حمیت سے سرشار رہتا ہے" سلامت طبع، اصابت فکر اور صلابت رائے کے لیے جس آب حیواں کی یافت ناگزیر ہے، اسلوب صاحب کے لیے وہ کبھی گم نہیں رہا، اس اجمال کی تفصیل ان کی مذہبی فکر کے عنوان سے ہے، ادب اور اخلاق کی اجتماعی جلوہ گری سے ہی علم و کردار کے آئینہ خانے روشن ہو سکتے ہیں، پنشن کی قلیل آمدنی سے اردو اور انگریزی ادب کی خدمت کرنے کی مثال اب شاید ہی کہیں ملے، یہ احساس صحیح ہے کہ وہ علی گڑھ کی آبرو ہیں لیکن اس سے کہیں زیادہ کہنا یہ بھی درست ہوگا کہ وہ دنیائے علم و ادب اور شرافت کردار و گفتار کی بھی آبرو ہیں، اس مجموعہ کو مرتب کرنے والوں میں متانت اور امانت کا جوہر شامل ہے، کتاب سے بھی یہ ظاہر ہے۔

آپ کا انتخاب: از جناب نصرت لے زبیری، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت مناسب،

صفحات ۱۴۰، قیمت مفت، پتہ: زبیری پبلیشرز 2-E-519، جوہر ٹاؤن، لاہور، پاکستان۔

عقائد، احکام، اخلاق، معاملات وغیرہ موضوعات پر قرآن مجید کی آیتوں کا انتخاب صرف ترجمے کے ذریعہ اس احساس سے کیا گیا ہے کہ کم از کم ان نہایت ضروری آیتوں سے وہ لوگ بہ آسانی واقف ہو سکیں جو کسی وجہ سے پورے قرآن مجید کا ترجمہ دیکھنے سے قاصر ہیں، فائدے کی غرض سے اس کی قیمت نہیں رکھی گئی لیکن اجر کے لحاظ سے یہ بیش قیمت ہے۔ ع - ص